گنجینہ

میرزا یگانہ چنگیزی

قومی دارالاشاعت

وائی - ایم - سی - اے بلڈنگ - دی مال - لاہور

قیمت تین روپیہ چار آنہ

کواپریٹو کیپٹیل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں چھپی

اور محمد کلیم اللہ پرنٹر و پبلشر نے پروگریسو بک کلب لاہور سے شائع کیا

فہرست

نمبر شمار | | صفحہ

غزلیات

غزلیات

۱

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

پیامِ زیرِ لب ایسا کہ کچھ سنا نہ گیا
اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا

ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو
لو دیکھ لو وہی کل، آج، بن کے آ نہ گیا

گناہ زندہ دلی کہیے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

کروں تو کس سے کروں دردِ نارسا کا گلہ
کہ مجھ کو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا

بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا

کرشن کا ہوں پجاری علی کا بندہ ہوں
یگانہ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

۲

کس دلِ بے قرار کو تو نے یہ ولولہ دیا
دنیا نہ دنیا ایک ہی ظرف سی جب سو ادیا

ہائے یہ روشنیٔ طبع۔ اُف یہ بلائے رنگ و بو
چشمِ ہوس پرست نے پھر سے جواں بنا دیا

کانوں میں آرہی ہے کیا دور کے ڈھول کی صدا — خوابِ نظر فریب نے سر تو نہیں پھرا دیا

ایک سے بڑھ کے ایک ہے واہ رے لطفِ زندگی — تحفۂ نوش و نیش نے خوب مزہ چکھا دیا

حسن کی آنکھیں کھل گئیں اسمیں برائی کیا ہوئی — روئے سیاہ کار سے پردہ اگر اٹھا دیا

جاگتے کو جگائے کون ایسے کو گدگدائے کون — لیجیے آگئی ہنسی۔ دیکھئے وہ جگا دیا!

داورِ حشر کچھ نہ پوچھ دورِ شباب کا مزہ — شہدِ بہشت تھا مگر دستِ بخیل کا دیا

ہوتی ہے کب دعا قبول حسن کی بارگاہ میں — دیکھئے منتِ خاک کو وقت نے کیا بنا دیا

جذبۂ عاشقانہ دیکھ حکمتِ بندگانہ دیکھ
بن کے یگانہ میں نے خود نقشِ دوئی مٹا دیا

٣

سجدۂ صبح و شام کیا کرتا — غائبانہ سلام کیا کرتا

جو نہ سمجھے خود اپنا مطلبِ شوق — وہ پیام و سلام کیا کرتا

جسے چاہا بنا لیا دیوتا — بندۂ بے امام کیا کرتا

نہ چلی کچھ تو بد دعا ہی سہی: — دہنِ بے لگام کیا کرتا

جس کی تلوار کا ہو لوہا تیز — محبت ناتمام کیا کرتا

ارے کیسی سزا کہاں کی خبر — ہچکچاتا تو کام کیا کرتا

وقت جب کاٹے کٹے حسینوں میں — کوئی مردانہ کام کیا کرتا

مجھ سے معنی شناس پر جادو — حسنِ صورت حرام کیا کرتا

ایسے ہنگامہ زارِ ہستی میں — ایک اللہ کا نام کیا کرتا

بندۂ خاص پر مرا مولا — نگہِ فیضِ عام کیا کرتا

یہ مساوات، تحفۂ ناچیز
وہ یگانہ کے نام کیا کرتا

۴

کون ایسا ہے جاننے والا؟ — جان کر تجھکو ماننے والا؟
پہلے اپنی تو ذات پہچانے — رازِ قدرت بھانپنے والا
پیٹ کے ہلکے لاکھ بڑ ماریں — کوئی کھلتا ہے جاننے والا
جان کر اور ہو گیا انجان — ہو تو ایسا ہو جاننے والا
دن کو دن سمجھے اور نہ رات کو رات — وقت کی قدر جاننے والا
راہ چلتے لپٹ پڑے نہ کہیں — بید ھڑک دل میں ٹھاننے والا
میں سمجھ لوں گا دوست ہی تو کون؟ — مجھے رہ رہ کے تاننے والا
حُسنِ کافر، گناہ کا پیاسا — بیگناہوں کو ساننے والا
تو نے جانا مجھے تو کیا جانا؟ — تجھ سے اچھا نہ جاننے والا
جیت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے — میں کہاں ہار ماننے والا
خاک میں مل کے پاک ہو جاتا — چھانتا کیا ہے چھاننے والا

کیوں نہ مانے یگانہ کو یکتا
اصل کو ایک جاننے والا

۵

برا کیا ہی لگی ہیں اپنی حد سے دور ہو جانا — لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا
دکھائی جلوۂ موہوم نے کیا برق رفتاری — پلک جھپکاتے ہی حدِ نظر سے دور ہو جانا

حرارہ لا چکا تھا حسن، کہئیے خیریت گزری
مجھے ٹھنڈا سمجھکر جوش کا کافور ہو جانا

ہوا سے پیرہن کا کوئی جھونکا ڈالا اُڑا شاید
مُبارک ہو مُبارک بزمِ ہے مخمور ہو جانا

فلک نے ایسی کروٹ لی کہ تڑکا ہو گیا ظالم
قیامت ہے چراغِ حُسن کا بے نور ہو جانا

بسی ہے نگہتِ آوارہ کن نازک دماغوں میں
مبارک ہستی برباد پر مغرور ہو جانا

دلِ نامحرمِ فردا خدا کی مار ہو تجھ پر
ابھی سے نشۂ حُسنِ عمل میں چور ہو جانا

علی کا بندہ ہو کر بندگی کی آبرو رکھلی
یگانہ کیلئے کیا دور تھا منصور ہو جانا

۶

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انسان کا ایسا خبطِ مذہب کیا

رنگ لاتی ہے آخر ایک جنبشِ لب کیا
دیکھئے دکھاتا ہے دعدۂ تذبذب کیا

چلو بھر میں متوالی، دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا۔ جذبۂ لبالب کیا

ہاں دعائیں لیتا جا۔ گالیاں بھی دیتا جا
تازگی تو کچھ پہنچے۔ چاہتا رہوں لب کیا

شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پاتا بندۂ مقرب کیا

الٹی سیدھی سنتا رہ اپنی کہہ تو الٹی کہہ
سادہ ہے تو کیا جانے بھانپنے کا ہے ڈھب کیا

سب جہاد ہیں دل کے سب فساد ہیں دل کے
بیدلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا

ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی
یاد جانے کب آئے۔ زندہ داریٔ شب کیا

آندھیاں رُکیں کیونکر زلزلے تھمیں کیونکر
کارگاہِ فطرت میں پاسبانیٔ رب کیا

کاہ مرگ گردن کا ہے۔ تھوڑی دیر کا جھگڑا
دیکھنا ہے یہ نادان جینے کا ہے کرتب کیا

پڑ چکے بہت پالے، ڈس چکے بہت کالے
موذیوں کو موذی کو فکرِ نیشِ عقرب کیا

میرزا یگانہ واہ! زندہ باد۔ زندہ باد
اک بلا ٹے ڈور ہاں، جب تم کیا تھو اور اب کیا

۷

اپنی ہستی میں بھی کچھ شک آ پڑا
علم کا سودا بڑا مہنگا پڑا

آپ سے باہر چلے ہو ڈھونڈھنے؟
آہ پہلا ہی قدم جھوٹا پڑا

یہ تو سمجھو خفتہ کیا بیدار کیا؟
ہوش پر جب وہم کا سایہ پڑا

راست بازی کی ہوس دنیا کے ساتھ؟
کیوں قسم کھائی تھی کیوں مارا پڑا؟

زندہ رکھا ہے سسکنے کے لئے!
واہ اچھے دوست سے پالا پڑا

آج ہی حق سے ادا ہو جائیے
دھیان بٹکا ولولہ ٹھنڈا پڑا

فکرِ دنیا میں رہے دن بھر خراب
شب ہوئی آنکھوں پہ پھر پردہ پڑا

اب ہوا رنگِ نصرت دیدنی
روح پر جب جسم کا پردہ پڑا

واہ سنتے ہی یگانہ کی غزل
اپنے بیگانے کو بھی چسکا پڑا

۸

ہر رنگ روشن ہر دیدنی کیا
دل تک نہ پہونچے وہ روشنی کیا

نشہ ہے نشہ کس بل ہے کس بل
کس بل کے آگے اک سنسنی کیا

یہ نوجوانی ۔ یہ نامرادی
چھائی ہے منھ پر یہ مُردنی کیا

منھ سے نہ بولو سر سے تو کھیلو
ہے ماجرائے ناگفتنی کیا

اندر ہی اندر کیوں کھپ رہے ہو
کر بیٹھے کوئی ناکردنی کیا

کیوں یاد آئے پچھلا زمانہ ؟ — اک جان بلب ہے یہ دشمنی گیا
مشکل تو اک دن آسان ہو گی — یہ کون جانے دم پر بنی گیا
ہم ہوں کہ تم ہو دونوں ہیں ٹھنڈے — اب دوستی گیا اور دشمنی گیا
انگور کھٹے ہوں خواہ میٹھے — بے دسترس کی طعنہ زنی گیا

ہر خار و گل ہے یکتا یگانہ
پھر دیدنی گیا۔ نادیدنی گیا

۹

پالا امید و بیم سے ناگاہ پڑ گیا — دل کا بنا بنایا گھروندا اگڑ گیا
الٹی تھی مت زمانۂ مردہ پرست کی — میں ایک ہوشیار کہ زندہ ہی گڑ گیا
شربت کا گھونٹ جان کے پیتا ہوں خونِ دل — غم کھاتے کھاتے منہ کا مزہ تک بگڑ گیا
بوئے وفا کہاں چمن روزگار میں — دل ہٹ گیا ہے جیسے کوئی پھول جھڑ گیا
کس سادگی سے میں نے بڑھایا تھا دستِ شوق — بیٹھے سے بدمزاج یکایک اکھڑ گیا
ایسے کے پاؤں چومیے یا پیار کیجیے — قدموں پہ میں جھکا تو وہ دونا اکڑ گیا
منہ زوریوں کا حوصلہ سرکارِ حسن ہے؟ — آخر پڑی وہ مار کہ چہرہ اُدھڑ گیا

پہلے تو آپ اپنے کو پہچانتے نہ تھے
حسنِ یگانہ کس کی نگاہوں میں تڑ گیا!

۱۰

آئینہ میں سامنا جب ناگہاں ہو جائے گا — پردۂ غیرت وہاں بھی درمیاں ہو جائے گا
کس محبت سے جگہ دی دل نے دردِ عشق کو — کیا خبر تھی نشۂ خوں میہماں ہو جائے گا

اشک ٹپکے یا نہ ٹپکے دل بھر آئیگا ضرور	آہ کرنے دیجئے آپ امتحاں ہو جائے گا
نیند کے ماتے ٹھہر جا آنکھ کھلنے کی ہے دیر	چشم حیراں میں سبک خواب گراں ہو جائے گا
شب کی شب مہماں ہے یہ ہنگامۂ عبرت سرا	صبح تک سب نقش پا ہے کارواں ہو جائے گا
رہزنوں کا پھر کوئی دھڑکا نہ کھٹکا خار کا	پہلی منزل سے جب آگے کارواں ہو جائے گا
جان دیتے دیر کیا لگتی ہے تیری راہ میں	دل سلامت ہے تو یہ بھی امتحاں ہو جائے گا
چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر	دل لگا لو پھر قفس ہی آشیاں ہو جائے گا
کیا سمجھتے تھے کہ دل سا شیشۂ نازک مزاج	چوٹ کھاتے کھاتے اتنا سخت جاں ہو جائے گا

دیکھ لو حسنِ یگانہ دور سے بیگانہ وار
پاس جاؤ گے تو پردہ درمیاں ہو جائیگا

۱۱

جنھیں ذوقِ حضوری خواب و بیداری میں حاصل تھا
خداوندا وہ آنکھیں کون سی تھیں کون سا دل تھا؟

خدایا دا آگیا واللہ وہ جلوہ بھی دیکھا ہے
خدا جانے وہی حق تھا کہ حق کا عکسِ باطل تھا

تماشا گاہِ حیرت میں کہاں کا تو کہاں کا میں
بس اتنا تھا کہ آئینے سے آئینہ مقابل تھا

اندھیری کوٹھری میں آئینہ دیکھا تو کیا دیکھا
یہی دیکھا کہ میں خود دیدۂ بینا میں باطل تھا

زہے حُسنِ گنہگاری، زہے فیضِ پشیمانی
جسے ٹھنڈا پسینا آگیا جنت میں داخل تھا

نگاہِ شوق کی دُنیا خدا جانے کہاں تک ہے
جہاں دیکھا وہی حسُنِ یگانہ شمعِ محفل تھا

۱۲

کدھر چلا ہے ادھر ایک رات بسنا جا
گرجنے والے گرجتا ہے کیا برستا جا

دکھا دے خاک کے پتلوں میں زور کتنا ہے
ہوا پہ تیر چکا اب زمیں میں دھنستا جا

رُلا رُلا کے غریبوں کو ہنس چکا کل تک
مری طرف سے اب اپنی دَسا پہ ہنستا جا

جفائے پنجۂ خونخوار سے جو بس نہ چلے
تو بن کے خشک نوالہ گلے میں پھنستا جا

علاجِ اہلِ حسد، زہر خندِ مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو ان احمقوں کو ڈستا جا

بقدرِ ذوق تماشائے حسُن ناممکن
ترسنے میں بھی ہے اک کیفیت، ترستا جا

تو آپ اپنی ہے شمشیر آپ اپنی سپر
یگانہ باگ اٹھا اپنے بل پہ کستا جا

۱۳

ادب نے دل کی تقاضے اٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا

نہ جانے سہوِ قلم ہے کہ شاہکارِ قلم
بلائے حسُن نے فتنے اٹھائے ہیں کیا کیا

نگاہ ڈال دی جس پر وہ ہو گیا اندھا
نظر نے رنگِ تصرّف دکھائے ہیں کیا کیا

اسی فریب نے مارا کہ کل ہے کتنی دور
اس آج کل میں عبث دن گنوائے ہیں کیا کیا

پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدۂ ناگاہ
اسیر چھوٹتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا

کسی کے روپ میں تم بھی تو اپنے درشن دو — جہاں میں شاہ و گدا رنگ لائے ہیں کیا کیا
کہاں کی معنی و مطلب یہ راگ ہی کچھ اور — الاپنے پہ مرے حال آئے ہیں کیا کیا
پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے — اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا
گزر کے آپ سے ہم، آپ تک پہنچ تو گئے — مگر خبر بھی ہے کچھ پھیر کھائے ہیں کیا کیا
بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا — بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا
خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے — وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا

خدا ہی جانے یگانہ میں کون ہوں کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

۱۳

محبت نے ایمان کھویا تو کیا — پشیمانیوں میں ڈبویا تو کیا
حرارت سہی دل کی ابھی تک وہی — زمانے نے اتنا سمویا تو کیا
بنی ہو وہی موج نخوت رواں — مجھے ناخدا نے ڈبویا تو کیا
یہاں کیا دھرا ہے جو ہاتھ آئے گا — کلیجہ میں پنجہ گڑویا تو کیا
امانت میں تیری خیانت نہ کی — مگر مفت کا بوجھ ڈھویا تو کیا
نہ میں وہ رہا اور نہ تو وہ رہا — تجھے ہاتھ سے اب جو کھویا تو کیا
سر بزم پیاسے ہی مر جائیے — کہ تلچھٹ سے دامن بھگویا تو کیا
نہ دل سے ہو کچھ تو اک بات ہے — ہنسا میں تو کیا اور رویا تو کیا
کہاں اڑ گئی وہ جوانی کی نیند — اچٹتی سی اک نیند سویا تو کیا
نچم کیوں نہ ہو جائے مانگے کی آنکھ — کہ عینک سے دھاگا پرویا تو کیا

بہا لے گیا گھر بھی ابرِ کرم — جو بویا تو کیا اور نہ بویا تو کیا
نہا لیتے گنگا بھیڑا اشفا پاک — گناہوں کو زمزم سے دھویا کیا

تمہیں بھی مزا اس کا چکھنا پڑا
یگانہ کو ہاتھوں سے کھویا تو کیا

۱۵

تماشا ہے مری تصویر کا بیکار ہو جانا — قلم کے زخم کھا کر بیکرِ خونبار ہو جانا
دوا کا اور دعا کا امتحاں منظور تھا ورنہ — بھلے چنگے گوارا تھا کسے بیمار ہو جانا
نہ ہے دیوانگی چشمِ ہوس کی بھیڑ میں پڑنا — ہجومِ شوق میں گم گشتۂ بازار ہو جانا
بہت میں نے ٹٹولا جادۂ شیخ و برہمن کو — کوئی آساں ہے ناہموار کا ہموار ہو جانا
قیامت تک یہ کالی کوس روشن ہو نہیں سکتے — عبث ہے ہمرکابِ کاروانِ بیدار ہو جانا
تصور سے کبھی خوابِ اجل کی کانپ اٹھنا — کبھی تعبیر سن کر جان سے بیزار ہو جانا
عجب کیا بھول جائے طائرِ خوابِ آشیاں اپنا — شبِ غم دور کیا ہے راہ کا دشوار ہو جانا
لہو کا گھونٹ بھی فصلِ خزاں میں پی نہیں سکتا — قیامت ہے گلوں کا ہمزبانِ خار ہو جانا
کوئی طوفان آیا یا ہمارے کان بجتے ہیں — ذرا اے بندگانِ ناخدا ہشیار ہو جانا
عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے — زمانے کے بلند و پست کا ہموار ہو جانا

مبارک بوالہوس کو پاس آنکھیں مانگتے پھرنا
کسی کی دیکھا دیکھی تشنۂ دیدار ہو جانا

۱۶

سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا — شمع گل ہو گئی دل بجھ گیا پروانے کا

عشق سے دل کو ملا آئینہ خانے کا شرف — جگمگا اٹھا کنول اپنے سیہ خانے کا

خلوتِ ناز کجا اور کجا اہلِ ہوس — زور کیا چل سکے فانوس سے پروانے کا

وائے حسرت کہ تعلق نہ ہوا دل کو کہیں — نہ تو کعبہ کا ہوا میں نہ صنم خانے کا

تشنہ لب ساتھ چلے شوق میں سایہ کی طرح — رُخ کیا ابرِ بہاری نے جو میخانے کا

واہ کس ناز سے آتا ہے ترا دورِ شباب — جس طرح دور چلے بزم میں پیمانے کا

کیا عجب ہے جو حسینوں کی نظر لگ جائے — خون ہلکا ہے بہت آپ کے دیوانے کا

آپ اب شمعِ سحر بڑھ کے گلے ملتی ہے — بخت جاگا ہے بڑی دیر میں پروانے کا

بزم میں صبح ہوئی چھا گیا اک سناٹا
سلسلہ چھڑ گیا جب آپ کے افسانے کا

١٧

دُنیا کا چلن ترک کیا بھی نہیں جاتا — اس جادۂ باطل سے پھرا بھی نہیں جاتا

زندانِ مصیبت سے کوئی نکلے تو کیوں کر — رسوا سرِ بازار ہوا بھی نہیں جاتا

دل بعدِ فنا بھی ہے گراں بارِ امانت — دنیا سے سبکدوش اٹھا بھی نہیں جاتا

اک معنئ بے لفظ ہے اندیشۂ فردا — جیسے خطِ قسمت کہ پڑھا بھی نہیں جاتا

کیوں آنے لگے شاہدِ عصمت سرِ بازار
کیا خاک کے پردے میں چھپا بھی نہیں جاتا

١٨

اب چین گنہگاروں کو دم بھر نہیں ملتا — پیاسے ہیں اور آبِ دمِ خنجر نہیں ملتا

آرام سے سونے کی جگہ ہے تو لحد ہے — دنیا میں تو راحت کا کوئی گھر نہیں ملتا

کسریٰ کا محل بھی ہو ہمیں قبر سے بدتر — آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا

کیوں نقشِ قدم دیکھ کے کھاتے ہو پچھاڑیں — کیا قافلہ سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا

کچھ دل کی لگی اور بھڑک جاتی ہے ساقی — ملتا بھی ہے اک جام تو بھر کر نہیں ملتا

کیوں یاسؔ یوں ہی دور سے منھ تکتے رہو گے
بے مانگے تو اس بزم میں ساغر نہیں ملتا

۱۹

ہنوز زندگیِ تلخ کا مزہ نہ ملا — کمالِ صبر ملا صبر آزما نہ ملا

مری بہار و خزاں جسکے اختیار میں ہے — مزاج اوس دلِ بے اختیار کا نہ ملا

جواب کیا وہی آوازِ بازگشت آئی — قفس میں نالۂ جانکاہ کا مزہ نہ ملا

امیدوارِ رہائیِ قفس بدوش چلے — جہاں اشارۂ توفیقِ غائبانہ ملا

ہوا کے دوش پہ جاتا ہے کاروانِ نفس — عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا

ہزار ہاتھ اسی جانب ہے منزلِ مقصود — دلیلِ راہ کا غم کب ملا ملا نہ ملا

بس ایک نقطۂ فرضی کا نام ہے کعبہ — کسیکو مرکزِ تحقیق کا پتا نہ ملا

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر — کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

خوشا نصیب جسے فیضِ عشقِ شور انگیز — بقدرِ ظرف ملا ظرف سے سوا نہ ملا

سمجھ میں آگیا جب عذرِ فطرتِ مجبور — گناہ گارِ ازل کو نیا بہانہ نہ ملا

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے — وہ بدنصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا

نگاہِ یاسؔ سے ثابت ہے سعیٔ لاحاصل
خدا کا ذکر تو کیا بندۂ خدا نہ ملا

۲۰

کون جانے وعدۂ فردا وفا ہو جائیگا
آج سے کل تک خدا معلوم کیا ہو جائیگا

اعتبارِ وعدہ واجب بدگمانی کفر ہے
کفر سے باز آیئے وعدہ وفا ہو جائیگا

دردمندوں کی کہانی پر دلِ بے دسترس
ہاتھ مل کر فرض سے اپنے ادا ہو جائیگا

کیا خبر تھی دل کہ تھا شاہنشاہ آخر ایک دن
عشق کے ہاتھوں گداؤں کا گدا ہو جائیگا

بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دستِ ہوس
گھٹتے گھٹتے ایک دن دستِ دعا ہو جائیگا

آئینہ ہے وہ زیارت گاہ جس کے سامنے
خود پرستوں کیلئے سجدہ روا ہو جائیگا

عشق کا حسنِ طلب اک معنیٔ بے لفظ ہے
ٹکٹکی بندھ جائیگی مطلب ادا ہو جائیگا

ہے ذراسی ٹھیس کا مہماں حبابِ جاں بلب
اک اشارے میں ہوا اک دم فنا ہو جائیگا

سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت
کون دن ہوگا کہ اک نالہ رسا ہو جائیگا

کیا سمجھتے تھے یگانہ محرمِ رازِ فنا
غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائے گا

۲۱

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

بُرا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا
کبھی گمراہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا

ازل سے تیرا بندہ ہوں ترا ہر حکم آنکھوں پر
مگر فرمانِ آزادی بجا لانا نہیں آتا

مجھے اے ناخدا آخر کسیکو منہ دکھانا ہے
بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائیگا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

دلِ بے حوصلہ ہے اک ذراسی ٹھیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پیئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

اسیرِ شوقِ آزادی مجھے بھی گدگداتا ہے
مگر چادر کے باہر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

۲۲

چلے چلو جہاں لیجائے ولولہ دل کا
دلیلِ راہِ محبت ہے فیصلہ دل کا

ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا
کشاں کشاں لئے جاتا ہے ولولہ دل کا

گلہ کسے ہے کہ قاتل نے نیمجاں چھوڑا
تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا

خدا بچائے کہ نازک ہے اُن میں ایک سے ایک
تُنک مزاجوں سے ٹھہرا ہے معاملہ دل کا

دکھا رہا ہے یہ دونوں جہاں کی کیفیت
کریگا ساغرِ جم کیا مقابلہ دل کا

کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسیکی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا

پیالہ خالی اٹھا کر لگالیا منہ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

۲۳

بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے تدبیر دیکھنا
منزل قدم سے لپٹی ہے تقدیر دیکھنا

آوازے مجھپہ کستے ہیں پھر بندگانِ عشق
پڑ جائے پھر نہ پاؤں میں زنجیر دیکھنا

ہوش اُڑ نہ جائیں صنعتِ بہزاد دیکھکر
آئینہ رکھ کے سامنے تصویر دیکھنا

چونکے تو چشمِ شوق میں عالم سیاہ تھا
خوابِ نظر فریب کی تعبیر دیکھنا

مردوں سے شرط باندھکے سوئی ہے اپنی موت
ہاں دیکھنا ذرا فلکِ پیر دیکھنا

پہنا دیا ہے طوقِ غلامی تو ایک دن
میری طرف بھی مالکِ تقدیر دیکھنا

پروانے کر چکے تھے سر انجام خود کشی — فانوس آڑے آگیا تقدیر دیکھنا
ہر خوب و زشت آپ ہی اپنی مثال ہے — حدِ کمالِ کاتبِ تقدیر دیکھنا
شاید خدانہ خواستہ آنکھیں دعا کریں — اچھا نہیں نوشتہ تقدیر دیکھنا
اصلاح کی مجال نہیں ہے تو کیا ضرور — بے ربطی نوشتہ تقدیر دیکھنا
بادِ مراد چل چکی لنگر اُٹھا و یاس
پھر آگے بڑھ کے خوبیٔ تقدیر دیکھنا

۲۴

دھواں سا جب نظر آیا سوادِ منزل کا — نگاہِ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا
چراغ لے کے کسے ڈھونڈھتے ہیں دیوانے — نشاں تو دور رہا یاں نام تک نہیں دل کا
نہ سر میں نشہ ہے باقی نہ دل میں کیفیت — زباں پہ رہ گیا اک ذکرِ خیر محفل کا
پرائی موت کا احساں بھی ہے ہمیں منظور — کہیں طلسم تو ٹوٹے عدم کی منزل کا
وہ دستِ شل جو دعا کیلئے بھی اُٹھ نہ سکے — ارادہ کون سے بل پر کریگا ساحل کا
کبھی تو موج میں آئے گا تیرا دیوانہ — اشارہ چاہئے ہے جنبشِ سلاسل کا
خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا — مزاج داں نہ تھا پروانہ شمعِ محفل کا
جوابِ حُسنِ طلب بیدلوں سے بن نہ پڑا — حیا سے گڑ گئے جب نام آگیا دل کا
اُمید و بیم نے وہ راستا ہی چھوڑ دیا — چراغ گل ہوا جب آستانہ دل کا
ازل سے اپنا سفینہ رواں ہے دھارے پر — ہوا ہنوز نہ گرداب کا نہ ساحل کا
فلک ہے دونوں طرف کا نگاہباں جبتک — نہ اپنی آنکھ اُٹھے گی نہ پردہ محمل کا

حضورِ دوستِ یگانہ کچھ ایسے غائب تھے
زبانِ گنگ تک آیا نہ ماجرا دل کا

۲۵

چراغِ زیست بُجھا دل سے اک دھواں نکلا
لگا کے آگ مِری گھر سے میہماں نکلا

دل اپنا خاک تھا پھر خاک کو جلایا نا گیا
نہ کوئی شعلہ اُٹھا اور نہ کچھ دھواں نکلا

تڑپ کے آبلہ پا اُٹھ کھڑے ہوئے آخر
تلاشِ یار میں جب کوئی کارواں نکلا

لہو لگا کے شہیدوں میں ہو گئے داخل
ہوس تو نکلی مگر حوصلہ کہاں نکلا

نہاں تھا خانۂ دل ہی میں شاہدِ مقصود
جو بے نشاں تھا وہ دیوار درمیاں نکلا

لگا ہے دل کو اب انجامِ کار کا کھٹکا
بہارِ گل سے بھی اک پہلوئے خزاں نکلا

زمانہ پھر گیا چلنے لگی ہوا الٹی
چمن کو آگ لگا کر جو باغباں نکلا

خوشی سے ہو گئے بدخواہ میرے شادیٔ مرگ
کفن پہن کے جو میں گھر سے ناگہاں نکلا

دکھایا گورِ سکندر نے بڑھ کے آئینہ
جو سر اُٹھا کے کوئی زیرِ آسماں نکلا

اب اپنی روح ہے اور سیرِ باغِ عالم ہے
کنوئیں سے یوسفِ گم کردہ کارواں نکلا

لحد سے بڑھ کے نہیں کوئی گوشۂ راحت
قیامت آئی جو اس گھر سے میہماں نکلا

کلامِ یاسؔ سے دنیا میں پھر اک آگ لگی
یہ کون حضرتِ آتشؔ کا ہمزباں نکلا

۲۶

قفس کو جانتے ہیں یاسؔ آشیاں اپنا
مکان اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا

ہوائے تند میں ٹھہرا نہ آشیاں اپنا
چراغ جل نہ سکا زیرِ آسماں اپنا

بس ایک سایۂ دیوارِ یار کیا کم ہے — اٹھائے سر سے مرے سایہ آسماں اپنا

سنا ہے رنگِ زمانہ کا اعتبار نہیں — بدل نہ جائے یقیں ہو کہیں گماں اپنا

مرے گی ساتھ ہوں اندوہ و غم تو کیا کہنا — یقیں نہ ہو تو کرے کوئی امتحاں اپنا

شریکِ حال ہوا ہے جو فقر و فاقہ میں — گرے گا ساتھ ہی کیا اپنے میہماں اپنا

عجیب بھول بھلیاں ہے منزلِ ہستی — بھٹکتا پھرتا ہے گم گشتہ کارواں اپنا

کدھر سے آتی ہے یوسف کی بوئے مستانہ — خراب پھرتا ہے جنگل میں کارواں اپنا

جرس نے مژدۂ منزل سنا کے چونکایا — نکل چلا تھا دبے پاؤں کارواں اپنا

خدا کسی کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

۲۷

واں نقاب اٹھی کہ صبحِ حشر کا منظر کھلا — یا کسی کے حسنِ عالمتاب کا دفتر کھلا

چپ لگی مجھکو گناہِ عشق ثابت ہو گیا — رنگ چہرے کا اڑا رازِ دلِ مضطر کھلا

اشکِ خوں سے زرد چہرہ پر ہے کیا طرفہ بہار — دیکھئے رنگِ جنوں کیسا مرے منھ پر کھلا

آنکھ جھپکی تھی تصور بندھ چکا تھا یار کا — چونکتے ہی حسرتِ دیدار کا دفتر کھلا

بند آنکھیں ہو گئیں بیتاب ہو ہو کر گرے — سامنے پیاسوں کے کس نے رکھ دیا ساغر کھلا

رنگ بدلا پھر ہوا کا میکشوں کے دن پھرے — پھر چلی بادِ صبا پھر میکدے کا در کھلا

صحبتِ واعظ میں بھی انگڑائیاں آنے لگیں — راز اپنی میکشی کا کیا کہیں کیونکر کھلا

ہاتھ الجھا ہے گریباں میں تو گھبراؤ نہ یاس
بیڑیاں کیونکر کٹیں زنداں کا در کیونکر کھلا

۲۸

روشن تمام کعبہ و بتخانہ ہوگیا
گھر گھر جمالِ یار کا افسانہ ہوگیا

تکتا ہے یار ہر طرف آئینہ خانے میں
شاید کسی پر آپ بھی دیوانہ ہوگیا

زنجیر پھیر ہلا دی نسیمِ بہار نے
پھر باہر آپ سے ترا دیوانہ ہوگیا

دیر و حرم بھی ڈھئہ گئے جب کچھ نہیں رہا
سب دیکھتے ہی دیکھتے ویرانہ ہوگیا

کل کی ہی بات جوش پہ تھا عالمِ شباب
یا دش بخیر آج اک افسانہ ہوگیا

۲۹

قصہ کتاب عمر کا کیا مختصر ہوا
رُخ داستانِ غم کا ادھر سے اودھر ہوا

ماتم سرائے دہر میں کس کس کو رو دیئے
اے وائے دردِ دل نہ ہوا دردِ سر ہوا

آزاد ہو سکا نہ گرفتارِ شش جہت
دل مفت بندۂ ہوسِ بال و پر ہوا

فرا کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے
دل اپنا شام ہی سے چراغِ سحر ہوا

دنیا کیساتھ دین کی بیگار الاماں
انسان آدمی نہ ہوا جانور ہوا

۳۰

قیامت ہے شبِ وعدہ کا اتنا مختصر ہونا
فلک کا شام ہی سے دستِ گریبانِ سحر ہونا

شبِ تاریک نے پہلو دبا یا روزِ روشن کا
زہے قسمت مری بالیں پہ تیرا جلوہ گر ہونا

دیا بیخودی نے اپنے حق میں گوشہ راحت
غنیمت ہے گھڑی بھر خواب غفلت میں بسر ہونا

تماشائے چمن کی کیا حقیقت چشمِ عبرت میں
اثر ہونا تو لازم ہے مگر الٹا اثر ہونا

بہار آتے ہی شادیِ مرگ ہو جاؤں تو اچھا ہے ۔۔۔ خزاں سے پہلے ہی بہتر ہے قصہ مختصر ہونا
دلِ آگاہ نے بیکار میری راہ کھوٹی کی ۔۔۔ بہت اچھا تھا انجام سفر سے بے خبر ہونا
وہی ساقی وہی ساغر وہی شیشہ وہی بادہ ۔۔۔ مگر لازم نہیں ہر ایک پر یکساں اثر ہونا

سنا کرتے تھے آج آنکھوں سے دیکھیں دیکھنے والے
نگاہِ یاس کا سنگیں دلوں پر کارگر ہونا

۳۱

وائے نادانی کہ داری گوش بر دیوارِ ما ۔۔۔ اہلِ دل را روئے ما آئینۂ اسرارِ ما
چشم پوشی شیوۂ ما حیلہ جوئی تا کجا ۔۔۔ ایکہ باشی غافلانہ در پئے آزارِ ما
پیشِ پا افتادہ بینی صد بلند و پست را ۔۔۔ بہرہ یابی اگر از نشۂ پندارِ ما
ہر سکونِ مضطرب، آئینۂ صد انقلاب ۔۔۔ تا سحر محوِ تماشا دیدۂ بیدارِ ما
کیست ازیں ہر دو کہ بکشاید درے از معرفت ۔۔۔ زاہدِ شب زندہ دارے یا دلِ بیدارِ ما؟
تا بچشمِ ما نیرزد جز متاعِ بیخودی ۔۔۔ رخصت اے ہوش و خرد، رو کردہ بازارِ ما
دوستانِ زندہ دل را خندہ بر لب سوختی ۔۔۔ اے نگاہِ بے زباں اے برقِ بے زنہارِ ما
زخمِ عبرت خوردہ ایم از دستِ نقاشِ ازل ۔۔۔ خندۂ غفلت مزن بر پیکرِ خونبارِ ما

ہر کس از بزمِ یگانہ دست بر دل می رود
خویش را بیگانہ سازد محرمِ اسرارِ ما

۳۲

منکہ بر نمی تابم دردِ زیستن تنہا ۔۔۔ صبحدم چساں بینم شمعِ انجمن تنہا
تا کجا اماں یابد از ہجومِ جانبازاں ۔۔۔ گوشہ گیرِ فانوسے بہرِ سوختن تنہا

ہر گلے ہر خارے فتنہ ہا برانگیزد — الحذر دلِ حیراں صد بہار و من تنہا

ذوق می تواں دانست رنگِ حسن نادیدہ — شاہدیست غمازے، بُوئے پیرہن تنہا

طرفہ محشرے دارد از فریبِ فردائے — زندہ زیرِ پیراہن مردہ در کفن تنہا

اے کہ کارہا کردی مدفنے جہت آگن — تا بہ کے نہاں دارد عیبِ من کفن تنہا

چارۂ پشیمانی خوش دلی و خوش کامی — توبہ از ریاکاراں خندہ ہا ز من تنہا

رہبرانِ خود گم را، عجز و عاچہ فرمائیم — پا شکستہ و حیراں ماندہ در وطن تنہا

ناخدا ز من بگریز سوئے دیگراں بنگر — کارِ من بہ دریائے دستِ و بازدن تنہا

صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہ و دلتنگ — داورا نمی زیبد بال و پر بہ من تنہا

نکتہ دانِ خودسازم میرزا یگانہ را
دل نمی تواں برداشت لذّتِ سخن تنہا

۳۳

اضطرابِ بال و پر پروانہ وارم دادہ اند
جائے دل ایک شعلۂ بے اختیارم دادہ اند

تشنۂ موجِ سرابم پا بجولاں می روم
منزلِ موہوم و پائے بے قرارم دادہ اند

می دہد ہر منزلِ نو شوقِ پروازِ دگر
در پئے عنقا فریبِ خوشگوارم دادہ اند

گوشِ نامحرم نمی ریزد جز صدائے بازگشت
صد جوابِ التجا بیگانہ وارم دادہ اند

از فضائے عالمِ بالا فتادم سرنگوں
سوئے پستی لغزشِ بے اختیارم دادہ اند

خویش را بہرِ تماشا درمیاں دزدیدہ ام
جائے خوش در پہلوئے گل ہمچو خارم دادہ اند

مژدۂ تسکیں یگانہ کے نصیبِ من شود
یک پیامِ زیرِ لب بیگانہ وارم دادہ اند

۳۴

تو گرفتارم بزندانِ ہوس بے اختیار
دست بر دل ماندہ در کنجِ قفس بے اختیار

با اجل دست و گریباں صد ہزاراں آرزو
از گراں جانی مبادا ہیچکس بے اختیار

از فریبِ رنگ و بو چشمِ تمنا بے خبر
وا ز ہولئے شوقِ ہر موجِ نفس بے اختیار

سروِ رعنا را بیادِ دوست گیرد در کنار
ایں دلِ بے دست و پا در دسترس بے اختیار

غافل از انجامِ خود، نامحرم از آغازِ خود
چشمِ حیراں در طلسمِ پیش و پس بے اختیار

چشمِ امیدے مگر دارد ز گردِ کارواں
پا شکستہ را دل از شورِ جرس بے اختیار

ہر کس و ناکس بطوفانِ حوادث مبتلا
موجِ دریا بے قرار و خار و خس بے اختیار

فرصتے داری یگانہ نعرۂ مستانہ زن
تا بوجد آید دلِ ہر نکتہ رس بے اختیار

۳۵

خود پرستانِ ازل دانند ایمانے دگر
حق پرستی می کنند اما بعنوانے دگر

دستِ خود دامانِ خود بودن ندارد لذتے
دستِ گستاخے دگر خواہیم و دامانے دگر

جز ترنم ہائے درد افزا ندارم چارہ
بلبلِ تنہا نشیں را نیست درمانے دگر

گوشم از ذوقِ اسیری بر نتابد مژدہ
جانِ ایذا دوست دارد شوقِ زندانے دگر

پاسبانی از نگاہِ نارسا ناید درست
بوئے یوسف را مہیا کن نگہبانے دگر

الوداع اے حسن و عشقِ کفر مشرب الوداع
ما بہ فیضِ بیدلی داریم ایمانے دگر

غفلتِ جاوید دارد رنگِ خوابِ سرمدی
جلوۂ فردا بچشمِ ما شبستانے دگر

ہر کسے را بہرہ باشد ز فیضانِ بہار
دستِ من رنگین ز خار و گل بدامانے دگر

زندہ در گوریم و شاید زندۂ جاوید ہم
جرعۂ خوردیم پاس از آبِ حیوانے دگر

۳۶

خمارِ دیدۂ غفلت مآب از من پرس
نویدِ صبح و تقاضائے خواب از من پرس

ز رنگ روئے خزاں دیدہ ام چنین مگریز
ہنوز لذتِ یادِ شباب از من پرس

ز دردِ تشنہ لبی ہا شکستہ دل نہ شوم
طلسم بندئی موجِ سراب از من پرس

شمارِ بوسہ ز ذوقِ لبم تواں دانست
در آئینہ منگر ایں حساب از من پرس

زبانِ آدمم را کہ می تواند بست
نگاہ حسنِ طلب را جواب از من پرس

ز اضطرابِ دلم دردِ سر کشد بالیں
شبِ دراز و تمنائے خواب از من پرس

برنگِ خویش برآورد حسنِ دوست مرا
کرشمۂ نگہِ بے حجاب از من پرس

تلاشِ معنیٔ بیگانہ در صحیفۂ عبث
یگانہ مطلبِ دورے از کتاب از من پرس

۳۷

نیشِ دردو نوشِ درماں بر نتابد ہر دلے
زیست مشکل، مرگ آساں بر نتابد ہر دلے

در بہارِ پر خلش آسودہ نتواں زیستن
خار در پیراہن جاں بر نتابد ہر دلے

خوش سر و کارے مرا با دردِ سر افتادہ ست
خمزۂ نا خواندہ مہماں بر نتابد ہر دلے

العطش اے ساقیٔ خمخانۂ غم العطش
نشۂ عیشِ پشیماں بر نتابد ہر دلے

دوزخِ خود را بہشتے سازم از اعجازِ عشق
جائے گل آتش بداماں بر نتابد ہر دلے

بہرہ از عقل جو۔ یا فیضے از دیوانگی
پندِ پیر و سنگِ طفلاں بر نتابد ہر دلے

۳۸

وقت خوش با شمع بے پروانہ دارم دیدنی
صد نیاز و نازِ گستاخانہ دارم دیدنی

تشنۂ آغوشِ من حورِ جناں بیرونِ در
طرفہ مہمانے درونِ خانہ دارم دیدنی

شمع را عریاں ہمی بینم حجاب اندر حجاب
سرمہ از خاکسترِ پروانہ دارم دیدنی

ایکہ پرسی نشۂ دردِ نہانم از کجاست
بادۂ بیرنگ در پیمانہ دارم دیدنی

فیضِ تنہائی سلامت، یاد ایامے ومن
جنتے در گوشۂ غمخانہ دارم دیدنی

کس بہ دردم کَے رسد جز ناکسے نامحرمے
دوست نادانے، دلِ دیوانہ دارم دیدنی

بوئے گل را در گرہ بندم زہے دیوانگی
در قفس بازیچۂ طفلانہ دارم دیدنی

من کہ سیلابِ بلا را پیش پا افتادہ ام
بے سر و پا ہمتِ مردانہ دارم دیدنی

می تواں خواند از جبینم ماجرائے سوزِ دل
شمع روشن اندریں ویرانہ دارم دیدنی

ہر دو منزل را، ز شمعِ یکجہت روشن کنم
خدمتے در کعبہ و بتخانہ دارم دیدنی

ہر کس و ناکس یگانہ لافِ یکتائی زند
دستِ بالا بر سرِ بیگانہ دارم دیدنی

۳۹

لذّتِ زندگی مبارک باد
کل کی کیا فکر؟ ہر چہ بادا باد

اے خوشا زندگی کہ پہلوئے شوق
دوست کے دم قدم سے ہے آباد

بندۂ عشق آ گیا جانے
کسے کہتے ہیں بندۂ آزاد؟

دل سلامت ہے، دردِ دل نہ سہی
درد جاتا رہا کہ درد کی یاد؟

مڑ کے دیکھا نہ آشیاں کیطرف
خون ہو ہو کے دل میں رہ گئی یاد

کشش بکھنو ارے توبہ
پھر وہی ہم وہی امین آباد

زیست کے ہیں یہی مزے واللہ
چار دن شاد چار دن ناشاد

کون دیتا ہے داد ناکامی ؟
خون فرہاد بر سر فرہاد

صبر اتنا نہ کر کہ دشمن پر
تلخ ہو جائے لذت بیداد

صلح کر لو یگانہ غالب سے
وہ بھی استاد تم بھی ایک استاد

۴۰

وہ جوانی کی موج وہ منجھدھار
خیر نیت بخیر بیڑا پار

آپ کیا جانیں مجھ پہ کیا گزری
صبحدم دیکھکر گلوں کا نکھار

حسن اینٹھ ہی خواب غفلت میں
دیکھئے کس ہوا سے ہو بیدار

دور سے دیکھ لو حسینوں کو
نہ بنانا کبھی گلے کا ھار

اپنے ہی سائے سے بھڑکتے ہو
ایسی وحشت یہ کیوں نہ آئے پیار

تو بھی جی اور مجھے بھی جینے دے
جیسے آباد گل سے پہلوئے خار

خبط مذہب ہو خواہ خبط کفر
جس سے پایا اوسی کے سر دے مار

منھ جو تکتی ہو مرگ دشمن کا
ایسی تلوار پہ خدا کی مار

ہائے یہ بہکی بہکی باتیں کیوں ؟
کیا کوئی بھنگ چڑھ گئی سرکار

جاگتا خواب دیکھئے کبتک
چشم امید پر خدا کی سنوار

بے نیازی بھلی کہ بے ادبی ؟
لڑکھڑاتی زباں ہے شکوہ یار ؟

بندگی کا ثبوت دوں کیونکر
اس سے بہتر ہے کیجیئے انکار

عشق ہی عین زندگی تو نہیں
ہاں مگر زندگی کا آلۂ کار

زندگی نے یہ کیسی کروٹ لی
آئی کانوں میں کون سی جھنکار

ایسے دو دل بھی کم ملے ہوں گے
نہ کشاکش ہوئی نہ جیت نہ ہار

بن پڑے تو یگانہ بن کر دیکھ
عکس کوئی اتر سکے تو اُتار

۴۱

آپ میں کیونکر رہے کوئی یہ ساماں دیکھکر
غنچہ غنچہ میں بہارِ صد گریباں دیکھکر

دل کو بہلاتے ہو کیا کیا آرزوئے خام سے
امرِ ناممکن ہیں گویا رنگِ امکاں دیکھکر

کیا عجب ہے بھول جائیں اہلِ دل اپنا بھی درد
حسنِ مستانہ کو آخر میں پشیماں دیکھکر

بیدلوں نے ہنستے ہنستے مار ڈالا بے اجل
اہلِ دل کو مبتلائے درد و درماں دیکھکر

ڈھونڈتے پھرتے ہو اب ٹوٹی ہوئی دل کی پناہ
درد سے خالی دلِ گبر و مسلماں دیکھکر

دل جلا کر وادیٔ غربت کو روشن کر چلے
خوب سوجھی جلوۂ شامِ غریباں دیکھکر

امتیازِ صورت و معنی سے بیگانہ ہوا
آئینہ کو آئینہ حیراں کو حیراں دیکھکر

پیرہن میں کیا سما سکتا حبابِ جاں بلب
ہستیٔ موہوم کا خوابِ پریشاں دیکھکر

صبر کرنا سخت مشکل ہے تڑپنا سہل ہے
اپنے بس کا کام کر لیتا ہوں آساں دیکھکر

اور کیا ہوتی یگانہ دردِ عصیاں کی دوا؟
کیا غزل یاد آئی واللہ فردِ عصیاں دیکھکر

۴۲

اڑتے ہیں ہوش گردشِ لیل و نہار دیکھکر
آج وہی قفس ہے پھر سیرِ بہار دیکھکر

سیرِ بہارِ آخری پھر کہیں یاد آ نہ جائے
ٹپکیں گے سرِ قفس پہ ہم پھولوں کے ہار دیکھکر

عالمِ شوق میں اسیر ہو گئے باہر آپ سے
چل بسے آمد آمدِ فصلِ بہار دیکھکر

مستوں کی خاک کو فلک اپنے کرم سے رکھ معاف
بھٹکے گی رُوح سایۂ ابرِ بہار دیکھکر

ہول یہی ہے ساقیا مستوں کا دم نکل نہ جائے
صبح کو تیری آنکھ میں کیفِ خمار دیکھکر

ایسی پلا کہ ساقیا فکر نہ ہو نجات کی
نشہ کہیں اتر نہ جائے روزِ شمار دیکھکر

آنکھیں بھی ملتے ہیں مگر سوجھتا کچھ نہیں ہے اب
چونکے ہیں خواب سے جو ہم جلوۂ یار دیکھکر

کاش مرا چراغِ زیست قبل سحر خموش ہو
آنکھیں نہ جانے کیا دکھائیں محفلِ یار دیکھکر

اہلِ ہوس کجا۔ کجا جلوۂ صبر آزما
تاب نہ لائے غش ہوئے آخر کار دیکھکر

آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزلِ یار دیکھکر

منظرِ یاس نے تمھیں آج لہو رلا دیا
شعلۂ دل بھڑک اٹھا شمعِ مزار دیکھکر

۴۳

ہنستا ہے عشق مجھکو گرانبار دیکھکر
زندانِ آب و گل میں گرفتار دیکھکر

کس کل پہ ہے بنائے طلسماتِ آب و گل
اہلِ نظر ہیں نقش بدیوار دیکھکر

شانہ ہلا کے موت نے چونکا دیا مجھے
محوِ طلسم بندیِ اسرار دیکھکر

آخر اجل نے روح کو آزاد کر دیا
احسانِ بے سبب سے گرانبار دیکھکر

منزل کو اپنے زیرِ قدم جانتے ہیں ہم
اس توسنِ خیال کی رفتار دیکھکر

روزِ ازل سے منزلِ سودا ہو جس کا سر
وہ کیوں نہ غش ہو سنگِ درِ یار دیکھکر

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھکر

چلتی ہے کس طرف کی ہوا پچھلی رات سے
جی سن سے ہو گیا رُخِ بیمار دیکھکر

باقی نہیں مزاج دوا کا اثر ہو کیا۔؟
منہ پھیر لیتے ہیں ترے بیمار دیکھکر

جنسِ وفا نہ تھی کوئی مفلس کا مال تھا
دل ہٹ گیا نگاہ خریدار دیکھکر

ناگفتنی ہے حضرتِ دل کون سی وہ بات
کیا یاد آگیا رسن و دار دیکھکر

غیرت سے رنگ نامۂ اعمال اڑ نہ جائے
کیفیتِ نگاہِ گنہگار دیکھکر

آئینہ رکھ کے آپ بھی سجدے میں جھک گئے
اب کیا کہیں گے کافر و دیندار دیکھکر

گردن ہی اپنی جب کسی قابل نہ ہوگی یاس
پھر کیا بڑھے گا دل رسن و دار دیکھکر

۴۴

قفس میں بوئے مستانہ بھی آئی دردِ سر ہو کر
نویدِ ناگہاں پہونچی ہے مرگِ منتظر ہو کر

نگاہِ شوق سے کیا کیا گلوں کا دل دھڑکتا ہے
مُبادا رنگ و بو اڑ جائے پامالِ نظر ہو کر

زمانے کی ہوا بدلی نگاہِ آشیاں بدلی
اٹھے محفل سے سب بیگانۂ شمعِ سحر ہو کر

کہاں پہنا رسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے
پڑے ہیں منزلِ فانوس پر بے بال و پر ہو کر

مقدر اوس مسافر کا طلب جسکی نہیں ہوتی
نصیبوں میں ہو گمراہی گنہگار سفر ہو کر

جواب آیا تو کیا آیا صدائے بازگشت آئی
دہن سے آہ نکلی مبتلائے بے خبر ہو کر

فلک کو دیکھتا ہوں اور زمیں کو آزماتا ہوں
مسافر در وطن خانہ بدوشِ رہگذر ہو کر

عدو کیا زہر دیتا ہے ہم ایسے تلخ کاموں کو
لہو کا گھونٹ اُتر جاتا ہے جب شیر و شکر ہو کر

خود اپنے خاک و خوں میں لوٹ کر آلودہ دنیا
پڑا ہے اب گڑھے میں گور کی آلودہ تر ہو کر

خدا معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا
چھڑا ہے سازِ ہستی مبتدائے بے خبر ہو کر

دیارِ بیخودی میں امتیازِ روز و شب معلوم
بلا آئی ہے بدستوں پہ شام بے سحر ہو کر

رہائی کا خیالِ خام ہے یا کان بجتے ہیں؟
اسیرو بیٹھے کیا ہو گوش بر آوازِ در ہو کر

مبارک نامِ آزادی سلامت دامِ آزادی
دعائیں دوں کسے یارب اسیرِ بال و پر ہو کر

عجب کیا وعدۂ فردا پسِ فردا پہ ٹل جائے
کوئی شام اور آجائے نہ شام بے سحر ہو کر

نگاہِ یاس کا عالم جو آگے تھا سو اب بھی ہے
ہزاروں گل کھلے بازیچۂ شام و سحر ہو کر

۴۵

زمیں کروٹ بدلتی ہے بلائے ناگہاں ہو کر
عجب کیا سر پہ آئے پاؤں کی خاک آسماں ہو کر

زبان دلخراش و داستانِ ظلم ارے توبہ
دہلتا ہے قفس ہنگامۂ زارِ الاماں ہو کر

خزاں کے دور میں دل کی لگی بجھتی تو کیا بجھتی
ہمیں خود آشیاں سے اڑ گئے ہوتے دھواں ہو کر

وبالِ رنگ و بو سے چھوٹتے ہی پر نکالیں گے
گرانبارِ بہار آخر سبکدوشِ خزاں ہو کر

زمانے بھر کا منہ تکتے ہیں کیوں؟ اپنی طرف دیکھیں
بسر کرنا ہے جنکو رنگ و بو سے رائیگاں ہو کر

پرائے درد کی کوئی نگہبانی کرے کب تک
حقیقت کھل نہ جائے اضطرابِ رازداں ہو کر

ہزاروں شمعیں لاکھوں دل تری محفل میں جلتے ہیں
جلیں گبر و مسلماں کیوں نہ یکدل یکزباں ہو کر

جہنم ہو کہ جنت طائرِ جاں تھم نہیں سکتا
کہیں پرواز کی حد مل سکیگی لامکاں ہو کر

خودی کی کیفیت سے چونکتے ہی دیکھتا کیا ہوں
کہ اترا نشۂ ہستی خمارِ جاوداں ہو کر

پیامِ غفلتِ جاوید ہے جلوہ حقیقت کا
سما جائے نہ آنکھوں میں کہیں خوابِ گراں ہو کر

اٹھو اے سونیوالو سر پہ دھوپ آئی قیامت کی
کہیں یہ دن نہ ڈھل جائے نصیبِ دشمناں ہو کر

ارے او جلنے والے کاش جلنا ہی تجھے آتا
یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جائے دھواں ہو کر

بہارِ لکھنؤ کو خونِ دل سے کس نے سینچا ہے؛
خدا لگتی بھی کہہ دے گا کوئی پتا زباں ہو کر

بھڑکتے ہیں مگر بیدرد منہ سے کچھ نہیں کہتے
نگاہِ یاس نے مارا ہے دردِ بے زباں ہو کر

۴۶

نقشِ باطل ہو چلا خوابِ پریشانِ بہار
دیدۂ حیراں میں کھچ کر آ گئی جانِ بہار

ہوشیار اے چشمِ نرگس اے نگہبانِ بہار
ہے زوالِ رنگ و بو دست و گریبانِ بہار

آگ برسائے فلک یا آبِ حیوانِ بہار
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے پشیمانِ بہار

چشمِ پرخوں نے مجسم کر دیا موہوم کو
ورنہ بے تعبیر تھا خوابِ پریشانِ بہار

چاندنی کی سیر کر لیجے ہم سے آنکھیں مانگ کر
ہیں کدھر پروانۂ شمعِ شبستانِ بہار

اپنا ہاتھ اپنا گریباں اپنا سودا اپنا سر
استخارہ کر چکے پابند فرمانِ بہار

پیرہن کیا گھر بھی خوش وقتی کے مارے تنگ ہے
آشیاں ہے اپنے حق میں طرفہ زندانِ بہار

جانے کیا کیا چہچہاتے ہیں قفس میں زندہ دل
مردہ دل کہتے ہیں بے معنی ہے فرمانِ بہار

کیوں قفس بردوش پھرتے ہیں اسیرانِ ہوس
ننگِ یارانِ چمن ناخواندہ مہمانِ بہار

اے خزاں پروردہ دل فکرِ چمن سے باز آ
اپنے اوپر رحم کر اے دشمنِ جانِ بہار

قافلہ کا قافلہ مارا ہوا ہے دہر نے
رہ گئے سوتی کی سوتی سب حسینانِ بہار

رنگ و بوئے عارضی سے دل بہلنے کا نہیں
فکرِ فردا ہے نظر میں خارِ دامانِ بہار

اپنے اپنے رنگ میں اور اپنے اپنے حال میں
کوئی حیرانِ خزاں کوئی پشیمانِ بہار

دیکھنا یہ ہے کہ آخر تک ٹھہرتا کون ہے؟ بوٹا بوٹا بن گیا ہے مردِ میدانِ بہار
خار و گل دونوں کو اپنے بانکپن پر ناز ہے دیکھئے رہتا ہے کس کے ہاتھ میدانِ بہار

دیکھ لیتا ہوں چمن کو دور سے بیگانہ وار
یاسؔ مجھ سے کیوں کھٹکتا ہے نگہبانِ بہار

۴۷

آنکھ جھپک جاتی ہے خار و گل کو باہم دیکھ کر
دیدنی نادیدنی دونوں کو توام دیکھ کر

گرد کے ہمراہ رنگِ عارضی بھی ڈھل گیا
روئے گل ہے غرقِ خجلت فیضِ شبنم دیکھ کر

واہ ری وارفتگی جاتی رہی سب بھوک پیاس
چشمِ بلبل سے گلوں کو غرقِ شبنم دیکھ کر

رنگ لائی گرم بازاری ہوائے گرم کی
روئے گل تو نسا ہوا ہے قحطِ شبنم دیکھ کر

آنکھ والے راہ میں حیرت کے پتلے بن گئے
کچھ نہ سوجھا خاک کے پتلوں کا عالم دیکھ کر

نقش بر دیوارِ زنداں ہیں اسیرانِ بلا
چپ لگی ہے دل میں اک ہنگامۂ غم دیکھ کر

اوسطرف سات آسماں اور اسطرف اک ناتواں
تم نے کروٹ تک نہ لی دنیا کو برہم دیکھ کر

صلح کر لی چرخ نے آخر دلِ مظلوم سے
انتقامِ حشر کے آثار مبہم دیکھ کر

حد کو پہونچا کر رہے گا پائے نافرماں مجھے
سست پڑنے کا نہیں زنجیر محکم دیکھ کر

منزلِ موہوم ضد سے دور کھنچتی ہی گئی
گرم رفتارِ موخر کو مقدم دیکھ کر

بیخودی میں آبلہ پا بھی بگولے بن گئے
منزلِ موہوم کو شاید مجسم دیکھ کر

انتقامِ قدرتِ خاموش آڑے آگیا
شعلہ و پروانہ کی وہ جنگ مبہم دیکھ کر

دردِ دل یاسؔ آپ کیا روئے در و دیوار سے
چھیڑنا تھا قصۂ غم گوشِ محرم دیکھ کر

۴۸

وطن کی ہے ہوا سر میں وطن کی خاک دامن پر
گریباں چاک کر لیتا ہوں یاد دوست و دشمن پر

ہوئے کیوں بارِ خاطر خود بخود گلہائے پژمردہ
ڈھیر پڑتے ہیں آپ ہی آپ کیوں گلچیں کے دامن پر

فریبِ چشمِ احول سے ہوس دونی ہوئی دل کی
مگر کیا دسترس دنیا کے رنگا رنگ خرمن پر

نہ ترکِ اختیار آساں نہ ضبطِ اضطرار آساں
یہی دستِ دعا جھلّا کے اٹھ جاتا تھا دشمن پر

پسینا تک نہیں آتا تو ایسی خشک توبہ کیا
ندامت وہ کہ دشمن کو ترس آجائے دشمن پر

شکستِ نشہ و کیفِ ندامت واہ کیا کہنا
بجائے مے ٹپکتا ہے زلالِ اشک دامن پر

نگاہِ بے نیازی نے دکھایا راستہ سیدھا
بھٹکتا کوئی کب تک جادۂ شیخ و برہمن پر

خدا جانے اجل کو پہلے کس پر رحم آئیگا
گرفتارِ قفس پر یا گرفتارِ نشیمن پر

دہائی کھینچنے والو قفس سے لاگ رکھنا کیا
مبادا آگ برسے آنچ آجائے نشیمن پر

زہے معراجِ انسانی کہ بندہ ہوں تو اپنا ہوں
چڑھایا خود پرستی نے نگاہِ دوست و دشمن پر

کجا طرزِ یگانہ اور کجا اندازِ بیگانہ
بجا ہے رشک تم جیسوں کو ایسے صاحبِ فن پر

۴۹

تمھیں نہ چاہو لپٹنا تو بس چلے کیونکر
ہنسی ہنسی میں لگا لے کوئی گلے کیونکر

لگاؤں کیوں نہ کوئی عیب بے وفائی کا
بلائے حسن ہو نازل تو پھر ٹلے کیونکر

الگ تھلگ کی ملاقات کر کے ہی کیوں ہو
کھلے تو عشق کھلے دل لگی کھلے کیونکر

نباہنا بھی حسینوں سے اک بڑا فن ہے
تجھ ایسے باولے کو عاشقی پھلے کیونکر

لگی ہو چاٹ جنھیں تیری بد زبانی کی
ادب سے بیٹھینگے نچلے وہ منچلے کیونکر

مجال تھی کوئی دیکھے تمھیں نظر بھر کے؛ — یہ کیا ہے آج پڑے ہو ملے دلے کیونکر

جبھی تو اپنی طرف دیکھتا ہوں حیرت سے — پڑا ہے عشق مرا آپ کے گلے کیونکر

سمجھ کا پھیر ہے یا وقت کا تقاضا ہے — وہی بُرے نظر آنے لگے بھلے کیونکر

بتاؤں کیا تمھیں بازار کا اُتار چڑھاو — بنا رہے گا یہی بھاؤ دن ڈھلے کیونکر

نگاہ شوق نے آخر بنا دیا دیوتا — خبر بھی ہے مرے سانچے میں تم ڈھلے کیونکر

یگانہ تم بھی ہو بہرے کہ اف نہیں کرتے
خدا کو کوستے پھرتے ہیں دل جلے کیونکر

۵۰

خداؤں کی خدائی ہو چکی بس — خدارا بس دُہائی ہو چکی بس

کہیں پتھر بھی ہو سکتا ہے پانی — دعاؤں کی رسائی ہو چکی بس

کسی ڈھب سے نپٹ لو جب مزہ ہے — بہت زور آزمائی ہو چکی بس

بجھائے کون، تو جس کو جلائے — پتنگوں کی چڑھائی ہو چکی بس

ہوا میں اُڑ گیا ایک ایک پتا — گلوں کی جگ ہنسائی ہو چکی بس

بھلا اب کیا جچوں اپنی نظر میں — نظر اپنی پرائی ہو چکی بس

رہا کیا جب دلوں میں فرق آیا — اوسی دن سے جدائی ہو چکی بس

بہت پہونچا تو نادیدہ پہ رکھا — تخیل کی رسائی ہو چکی بس

پڑے ہو کون سے گوشے میں تنہا
یگانہ کیوں خدائی ہو چکی بس؟

۵۱

تو کہاں اور کہاں وہ جلوۂ پاک — دلِ بیباک تیری آنکھ میں خاک

کھا گیا کتنے جاں نثاروں کو — پردے پر دے ہیں شعلۂ بیباک

دیکھئے کیا خدا دکھاتا ہے — آپ نازک مزاج ہم بیباک

گھُل گئی جیسے موم کی مریم — کیوں بڑھا یا تھا دل جلوں سے تپاک

بدگمانوں کی مہربانی سے — پاک دامن بچے نہ دامن چاک

ذات میں اپنی کیا نہیں موجود ؟ — عشق ساز ہر عقل ساتر پاک

آسماں کی ذرا سی گردش میں — کوئی ہلکان اور کوئی ہلاک

کون ٹھہرے سنئے کے دھارے پر — کوہ کیا اور گیا خس و خاشاک

میں کہاں اور کہاں کے پست و بلند؛ — ایک ٹھوکر میں تھا بکھیڑا پاک

ہوش کیا پائے گا پتا میرا — لے اُڑا دور جوہرِ ادراک

فلسفی کو خبر نہیں اپنی — آنکھ کے آگے ناک سوجھے خاک

حُسن اپنا بھی دیکھ لوں اک دن
عشق چاہے تو کردے خاک سی پاک

۵۲

گوشہ گیری ہی اک انوکھا سانگ — مانگنا ہے کھلے خزانے مانگ

پوچھنا کیا زمانہ سازوں کا — نت نیا بھیس نت نرالا سانگ

شیخ کی کون سی ہے کل سیدھی — ارے جو بات ہے سو اوٹ پٹانگ

کس طلب میں چلا ہے بے اٹکل — آنکھ والوں سے پہلے آنکھیں مانگ

صلح ٹھہری تو ہے برہمن سے — کہیں مذہب اڑا نہ دے کوئی ٹانگ

بانسری نے دلوں کو موہ لیا — کون سنتا ہے پنجگانہ بانگ

ایک اور ایک دو کسے سمجھائیں — ادنکے مرغ کی ہے وہی اک ٹانگ

اڑ چلے کیا فرشتہ انسان سے؟ — سو اڑان اوس کی اِسکی ایک پھلانگ

پھرتے ہیں بھیس میں حسینوں کے — کیسے کیسے ڈکیت ٹھانگ کی ٹھانگ

کون دیتا ہے ساتھ مردوں کا — حوصلہ ہو تو باندھ ٹانگ سے ٹانگ

خواہ پیالہ ہو یا نوالہ ہو — بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ

بول بالا رہے یگانہ کا
نام باجے جگت کے چاروں دانگ

۵۳

حُسن وہ حُسن جسکا روپ نہ رنگ — نت نیا رنگ نت نرالا ڈھنگ

حسن کیا، حُسن کی تجلّی کیا — رنگ لایا ہے جلوۂ بیرنگ

اوس نگاہِ رسا کو کیا کہئے — جس پہ ہو عرصۂ دو عالم تنگ

دیکھئے لے اڑا کہاں سے کہاں — نشہ رنگ و بوئے رنگا رنگ

کام کیا فلسفی کارندوں میں — کیوں ہو بیٹھے بٹھائے رنگ میں بھنگ

مردہ دل کو ٹٹولنے والو — چھیڑتے کیا ہو سازِ بے آہنگ

کیا اب آگے نہیں کوئی منزل؟ — کیا ہوئی دل کی وہ لگن وہ امنگ

وہی الجھے نہ اب خاروں سے — جسکا دل تنگ جسکی دنیا تنگ

ہنستے ہنستے بنے تھے پریم بھگت — دل لگی بڑھتے بڑھتے لائی رنگ

سنگدل کو بنا دیا ہے دیوتا
آپ کیا جانیں بندگی کے ڈھنگ

رہ گیا ہاتھ کس بہانے بھرم
درد کتنا ہے دل میں کتنی امنگ

جیتے جی یہ عذابِ تنہائی
دل لگا لو تو کیوں رہو دل تنگ

میر کے آگے زور کچھ نہ چلا
تھے بڑے میرزا یگانہ دبنگ

۵۴

زحمتِ سجدہ ہے فضول بتکدۂ مجاز میں
ہو گی نماز کیا قبول کعبۂ خانہ ساز میں

دیکھ کے حسنِ خوب و زشت انجمنِ مجاز میں
ہوش و خرد ہیں مبتلا زحمتِ امتیاز میں

واہ رے مطمحِ نظر واہ رے سیرِ مختصر
کعبے سے دَیر کا سفر زندگیٔ دراز میں

نفس سے گفتگو ہے صلح جنگ خلافِ مصلحت
کوئی نہ کوئی فیہ ہے عقلِ زمانہ ساز میں

ہوتا ہے بند ایک در کھلتے ہیں صد ہزار در
اپنی طرف سے تنگ نہ کر نیتِ کارساز میں

داورِ حشر ہوشیار دونوں میں امتیاز رکھ
بندۂ نا امید اور بندۂ بے نیاز میں

بندۂ خود شناس ہے اپنے ہی پیرہن میں مست
بوئے خودی کو دخل کیا پیشگہِ ایاز میں

اُف رے تصرفاتِ عشق آگ لگے دھواں نہ ہو
ڈوبے ہوئے ہیں سنگدل لذتِ سوز و ساز میں

یادِ خدا کا وقت بھی آئے گا کوئی یا نہیں
یادِ گناہ کب تلک شام و سحر نماز میں

سجدۂ اولین میں یاسؔ پا گئے دادِ بندگی
شادیٔ مرگ ہو گئے عید کے دن نماز میں

۵۵

نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں
سویرے ہی سے دور اندیش فکرِ شام کرتے ہیں

۴۶

چلیں کیوں دوڑ کر نا داں جو ایسی ٹھوکریں کھائیں
بلند و پست عالم کو عبث بدنام کرتے ہیں

جہنّم میں بھی جلنے کیلئے حاضر ہیں پروانے
کہیں اہلِ ہوس اندیشۂ انجام کرتے ہیں

تمہارے واسطے کعبہ تو کیا ہے دل بھی حاضر ہے
مسلماں بھی کہیں پر واۓ ننگ و نام کرتے ہیں

یہ کس کے سر رہے گا خونِ ناحق بیگناہوں کا
وفاداروں کی ضد سے آپ قتلِ عام کرتے ہیں

بجھائے کون اب دل کی لگی شوقِ شہادت میں
ہم اپنے ہاتھ سے لبریز اپنا جام کرتے ہیں

ہزاروں مر کے زندہ ہو چلے کوئے تمنا میں
ہم ایسے سخت جاں اس خاک کو بدنام کرتے ہیں

دلِ ویراں نہیں اک محشرستانِ تخیّل ہے
اسی زنداں سے ہم سیرِ ہجومِ عام کرتے ہیں

دلِ وحشی بغیر اون کے نہ بہلا ہے نہ بہلے گا
یہ کس دیوانے کی خدمت وہ میرے نام کرتے ہیں

نگاہوں سے گرایا یاس کو کمبخت اسی دل نے
اسی دل کی بدولت لوگ کیا کیا کام کرتے ہیں

۵۶

جان پیاری ہے حیات جاوداں پیاری نہیں
زندگی کیا موت کی جب گرم بازاری نہیں

صبر کہتا ہے کہ رفتہ رفتہ مٹ جائے گا داغ
دل یہ کہتا ہے کہ بجھنے کی یہ چنگاری نہیں

جلوہ گر رہنے لگا چشمِ تصور میں کوئی
حضرتِ دل بے سبب راتوں کی بیداری نہیں

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ
پھولوں میں خوشبو حسینوں میں وفاداری نہیں

چھوڑ کر جائیں کہاں اب اپنے ویرانے کو ہم
کون سی جا ہے جہاں حکمِ خزاں جاری نہیں

جھیل لینگے ہجر کے مارے قیامت کا بھی دن
آج کی شب تو کٹے پھر کوئی دشواری نہیں

۵۷

دستِ شل کو دخلِ ناممکن خطِ تقدیر میں
جائے نقطہ بھی نہیں باقی کسی تحریر میں

خودکشی بھی بن نہ آئی پھر دوا پینا پڑی
ہائے یہ تلخی کہاں تھی زہر بے تاثیر میں

کافر و دیندار میں ہے رشتۂ واحد وہی
سب کے سب جکڑے ہوئے ہیں ایک ہی زنجیر میں

آئینہ دکھلا رہا ہے صورتِ آبادِ جہاں
حُسنِ معنی جلوہ گر ہے پردۂ تصویر میں

شوخیاں کیا کیا دکھائیں حُسنِ مشتِ خاک نے
عالمِ جاں سے نکل کر عالمِ تصویر میں

اصل کے آگے فریبِ نقل چل سکتا نہیں
بوئے مستانہ کہاں پیراہنِ تصویر میں

خاک کا پتلا بھی یوں باتیں بناتا کیا مجال
راز ہے پنہاں کوئی اس بولتی تصویر میں

۵۸

حسنِ فطرت بولتا ہے پردۂ اسرار میں
معنئ بے لفظ پنہاں ہیں زبانِ خار میں

ذوق جبتک ہے جبھی تک ہے بہارِ رنگ و بو
دل ہے جبتک دل جبھی تک ہے کھٹک بھی خار میں

یاد ایام کہ تھا زندوں میں اپنا بھی شمار
زور تھا اپنے قلم میں باڑھ تھی تلوار میں

عمر گھٹنے کیلئے ہے وقت کٹنے کیلئے
مفت دن گننے کو ہم پکڑے گئے بیگار میں

خوابِ شیریں کی ہوس کیا خوابِ بد کا خوف کیا
آچکی اب نیند اپنے دیدۂ بیدار میں

نشۂ یکرنگ میں دونوں ہیں کیا ڈوبے ہوئے
کیسی جنگِ زرگری ہے کافر و دیندار میں

غفلتِ امروز میں اندیشۂ فردا ہو گم
نشہ اتنا ہو کم از کم وعدۂ دیدار میں

ناخدا کچھ زورِ طوفاں آزمائی بھی دکھا
فکرِ ساحل چھوڑ لنگر ڈال دے منجدھار میں

یاس گمراہی سے اچھی زحمتِ واماندگی
ڈال لو زنجیر کوئی پائے گرفتار میں

۵۹

گلے میں باہیں ڈالے جبین کو سونا جوانی میں ‏— کہاں ممکن پھر ایسا خواب دیکھوں زندگانی میں

غنیمت جان اس کوچے میں تھک کر بیٹھ جانے کو ‏— کسے دم بھر ملا آرام دورِ آسمانی میں

تڑپ جاتے ہیں حسن و عشق کا جب نام آتا ہے

اسی سے بس سمجھ لو یاسؔ کیا ہوں گے جوانی میں

۶۰

کب چل سکے گی بادِ مخالف مزار میں ‏— جلتا ہے دل جلوں کا چراغ اس دیار میں

الٹی ہوا زمانے میں چلتی ہے آج کل ‏— فرق آ گیا ہے گردشِ لیل و نہار میں

بوسے کو لے اڑے نہ کہیں بوئے پیرہن ‏— اخفائے حسن و عشق نہیں اختیار میں

منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے ‏— شورِ جرس سے دل نہ رہا اختیار میں

کہتے ہو اپنے فعل کا مختار ہے بشر ‏— اپنی تو موت تک نہ ہوئی اختیار میں

کس گل پہ ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا ‏— کیا جانے کیا طلسم ہے مشتِ غبار میں

شرمندہ کفن نہ ہوئے آسماں سے ہم ‏— مارے پڑے ہیں سایۂ دیوارِ یار میں

لیلیٰ کجا کجا یہ طلسماتِ عنصری ‏— کیا ڈھونڈتا ہے پردۂ گرد و غبار میں

دنیا سے یاسؔ جانے کو جی چاہتا نہیں!

واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں

۶۱

یکساں کبھی کسی کی نہ گذری زمانے میں ‏— یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

صدمے دئیے تو صبر کی دولت بھی دیگا وہ ‏— کس چیز کی کمی ہے سخی کے خزانے میں

دیواریں پھاند پھاند کے دیوانے چل بسے　　خاک اڑ رہی ہی چار طرف قید خانے میں

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا ہے یہ کوئی　　ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

افسردہ خاطروں کی خزاں کیا بہار کیا　　کنج قفس میں مر رہے یا آشیانے میں

ہم ایسے بدنصیب کہ ابتک نہ مر گئے　　آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں

دیوانے بن کے اون کے گلے سے لپٹ بھی جاؤ
کام اپنا کر لو یاس بہانے بہانے میں

۶۲

خدا معلوم کیا سحر تھا اوس بت کی چتون میں　　چلے جاتی ہیں اب تک چشمکیں شیخ و برہمن میں

گلا گھٹنے لگا اب تنگ آیا ہوں گریباں سے　　جنوں نے واہ کیا پھانسی لگا دی میری گردن میں

بہت وحشت جنوں دگدگدایا جب تو کیا کرتے　　اتاریں بیڑیاں اور پہنے دوہرے طوق گردن میں

کنکھیوں سے جو ہم کو بزم میں تم دیکھ لیتے ہو　　کھٹک جاتی ہیں کانٹے کی طرح ہم چشم دشمن میں

حجاب ناز بیجا یاس جس دن بیچ میں آیا
اسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں

۶۳

بندۂ فطرت مجبور ہوں مختار نہیں　　ہاں ندامت میں ہاں اشک جرم سے انکار نہیں

روشِ خامۂ قسمت کبھی ہموار نہیں　　گردش بخت سبب گردش پرکار نہیں

شش جہت میں ہے تری جلوۂ بے فیض کی دھوم　　کان محرم ہیں مگر آنکھ گنہگار نہیں

اے زہے بخت کہ سر تیری امانت کے سوا
نشۂ دولت دنیا سے گرانبار نہیں

۶۴

موسمِ گل ہیں جو خاموش رہا کرتے ہیں
وہ بھی اک شعر معنیِ بے لفظ ادا کرتے ہیں

رسمِ دنیا نہ سہی فرض ادا کرتے ہیں
ہاتھ اٹھے یا نہ اٹھے دل سے دعا کرتی ہیں

حضرتِ دل ہیں عجب ظالم مظلوم نما
گھر جلا کر کفِ افسوس ملا کرتے ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ گزشتہ سعیٔ باطل
کیا علاجِ دلِ دیوانہ تمنا کرتے ہیں

عمر بیداری موہوم کے دھوکے میں کٹی
اب جو چونکے ہیں تو آپ اپنا گلہ کرتے ہیں

لذتِ مژدۂ فردا میں جو ہیں ڈوبے ہوئے
طعنۂ غفلتِ امروز سنا کرتے ہیں

دیکھ کر دور سے مستقبل روشن کی جھلک
جان نظارہ اوّل پہ فدا کرتے ہیں

بے اجل منزلِ فانوس پہ مرنے والے
جان کیا دیتے ہیں اک رسم ادا کرتے ہیں

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتی ہیں

ناخدا تیرے ارادوں میں خدا برکت دے
یاس اک مرتبہ پھر قصدِ دعا کرتے ہیں

۶۵

دل لگانے کی جگہ عالمِ ایجاد نہیں
خواب آنکھوں نے بہت دیکھے مگر یاد نہیں

توبہ بھی بھول گئے عشق میں وہ مار پڑی
ایسے اوسان گئے ہیں کہ خدا یاد نہیں

تلملانے کا مزہ کچھ نہ تڑپنے کا مزہ
ہیچ ہے دل ہیں اگر درد خداداد نہیں

سرِ شوریدہ سلامت ہے مگر کیا کہیے
دستِ فرہاد نہیں، تیشۂ فرہاد نہیں

دشمن و دوست سے آباد ہیں دونوں پہلو
دل سلامت ہے تو گھر عشق کا برباد نہیں

کیا عجب ہے کہ دلِ دوست ہو مدفن اپنا
کشتۂ ناز ہوں میں کشتۂ بیداد نہیں

چشمِ عبرت ہیں کوئی خاک کا پتلا نہ بچا — سب کے سب ہیں نظر ایک پہ بھی صاد نہیں

نکہتِ گل کی ہر رفتار ہوا کی پابند — رُوح قالب سے نکلنے پہ بھی آزاد نہیں

فکرِ امروز نہ اندیشۂ فردا کی خلش

زندگی اُس کی جسے موت کا دن یاد نہیں

۶۶

خون کے گھونٹ بلانوش پئے جاتے ہیں — خیر ساقی کی مناتے ہیں جئے جاتے ہیں

ایک تو درد ملا اوس پہ یہ شاہانہ مزاج — ہم غریبوں کو بھی کیا تحفے دیئے جاتے ہیں

آگ بجھ جائے مگر پیاس بجھائی نہ بجھے — پیاس ہے یا کوئی ہوکا کہ پئے جاتے ہیں

دولتِ عشق بھی مانگے سے نہیں ملتی ہے — ایسے ہی اہلِ ہوس راند دیئے جلتے ہیں

نہ گیا خوابِ فراموش کا سودا نہ گیا — جاگتے سوتے تجھے یاد کئے جاتے ہیں

نشۂ حسن کی یہ لہر الٰہی توبہ — تشنہ کام آنکھوں ہی آنکھوں میں پئے جاتے ہیں

دل ہی پہلو میں کہ اُمید کی چنگاری ہے — اب تک اتنی ہی حرارت کہ جئے جاتے ہیں

ڈوبتا ہے نہ ابھرتا ہے سفینہ دل کا — دم الٹتا ہی مگر سانس لئے جاتے ہیں

کیا خبر تھی کہ یگانہ کا ارادہ یہ ہے

ڈوب کر پار اترنے کے لئے جاتے ہیں

۶۷

تو کیا ہمیں ہیں گنہگار حسنِ یار نہیں ؟ — لگاوٹوں کا گناہوں میں کیا شمار نہیں

بدل نہ جائے زمانے کے ساتھ نیت بھی ! — سنا تو ہوگا جوانی کا اعتبار نہیں

جو غم بھی کھائیں تو پہلے کھلائیں دشمن کو — اکیلے کھائیں گے ایسے تو ہم گنوار نہیں

کہو وہ بات دو رنگی کہ یوں بھی ہو وہ یوں بھی — زباں وہ کیا جو حقیقت کی پردہ دار نہیں

نہ جانیں بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست — بڑھا تو دل ہی وہ دریا کہ آر پار نہیں

کبھی حقیقتِ فردا سنو تو کان کھلیں — ندائے دل ہے کوئی دور کی پکار نہیں

یہ خودکشی بھی تری کھیل ہے مشیت کا — کچھ ایسی چلتی ہے جیسے چھری پہ دھار نہیں

سلامت آپ کا یہ حسنِ لازوال مگر — ہم آج ہی کے ہیں۔ کل کے امیدوار نہیں

کریگا پرورشِ نخلِ آرزو کے دن — وہ بدنصیب جسے ذوقِ انتظار نہیں

یگانہ میر وہی ہے جو پہلے مار چلے
جو ٹھن گئی ہے تو اب تابِ انتظار نہیں

۶۸

مستانہ رقص کیجئے گردابِ حال میں — بیڑا ہی پار ڈوب کر اپنے خیال میں

دیکھے جو حسنِ دوست کو شانِ جلال میں — آجائے آفتاب قیامت زوال میں

مارا فریبِ حسن کا پنپے تو جانئے — کتنے خدا رسیدہ پڑے اس وبال میں

ہاں کیوں نہ پار اتر چلوں خمیازہ جھیل کر — ڈوبے مری بلا عرقِ انفعال میں

ترسی ہوئی نگاہوں پہ اب رحم کیجئے — کبتک یہ امتیاز حرام و حلال میں

کھٹکا لگا نہ ہو تو مزہ کیا گناہ کا — لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال میں

کیا زندگی کے بعد بھی ہے کوئی زندگی؟ — پھر جان آچلی چمنِ پائمال میں

آوازِ بازگشت پہ کیا دیتے ہو صدا؛ — کس سے الجھ رہے ہو جواب و سوال میں؛

واللہ قفس میں آتے ہی کیا مت پلٹ گئی — آخر ہمیں تو ہیں کہ پھڑکتے تھے جال میں

ہوش و خرد حقیقتِ روشن کہیں جسے — ہے اک جھلک سی پردۂ صد احتمال میں

مستِ اَنا بھلے کو پیمبر نہ بن گیا
سوجھی تو خوب نشۂ بے اعتدال میں

واللہ نگاہِ شوق کی معراج ہے یہی
وہ خواب دیکھیے جو نہ آئے خیال میں

ممکن کی آرزو میں موئے کتنے نامُراد
اچھی گذر گئی مری فکرِ محال میں

کیا بزمِ اتحاد ہے کیا حُسنِ اتفاق
بیگانہ و یگانہ ہیں سب ایک حال میں

۶۹

آہ یہ بندۂ غریب آپ سے لَو لگائے کیوں
آ نہ سکے جو وقت پر وقت پہ یاد آئے کیوں

دوست کے انتظار میں دوست کو نیند آئی کیوں
ٹوٹے امید پالتے ہی رنگ بدل نہ جائے کیوں

مژدۂ مرگِ نوجواں آج ہی کیا ضرور تھا؟
آج تو دن ہے عید کا آج قیامت آئے کیوں

کلمہ پڑھوں تو کیوں پڑھوں کس کی نظر پہ کیوں جھٹوں
یادِ خدا تو دل سے ہے دل سے زباں تک آئے کیوں

لاکھ عتاب کا جواب ایک خلوصِ بندگی
چینِ جبینِ دوست کو دھیان میں کوئی لائے کیوں

اپنے خیال میں ہے خوش، دل کی ضدیں تو دیکھیے
آپ سے دور کیوں رہے آپ کے پاس جائے کیوں

خواب و خیال سے ہو پاک نیند وہی ہے میٹھی نیند
نقشِ خیالِ نیک و بد نیند میں رنگ لائے کیوں

عیب سے خالی کون ہے حسن کے دل سے پوچھیے
اہلِ نظر کے سامنے آنکھ جھپک نہ جائے کیوں

منھ جو ذرا اتر گیا اور بھی گُل میں گُل کھلا
یوں ہی بقدرِ ذائقہ حُسن بھی غم نہ کھائے کیوں

دید کی التجا کروں، تشنہ ہی کیوں نہ جان دوں؟
پردۂ ناز خود اٹھے دستِ دعا اٹھائے کیوں

بھول بھی جا بُھلا بھی دے یاد نہ کر خدا کو مان
تیری زباں پہ بار بار نامِ یگانہ آئے کیوں

۷۰

دل ایک ہی فتنہ ہے لیکن بیدار نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہاتھ میں کس بل لاکھ سہی تلوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

اپنی ڈفلی اپنا راگ اپنی دوڑ ہے اپنی بھاگ
کہنے میں بات آتی ہے سردار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کیا کیا چوٹیں لیتا ہوں اور کیا کیا خالی دیتا ہوں
دیکھنے والے پس پردہ سرکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

پیچکے چپکے ریشہ دوانی یہ بھی کوئی پیٹنی ہے؟
للکار نہیں تو کچھ بھی نہیں جھنکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

حجام ہو چاہے تلوار یا اک بال تو ٹیڑھا کر دیکھے
اوزار نہیں تو کچھ بھی نہیں ہتھیار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کلمہ پڑھکے ایسے ویسے کتنے مسلماں بن بیٹھے
بات یہ کچھ دشوار نہیں دشوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

محرابوں میں سجدہ واجب حسن کے آگے سجدہ حرام
ایسے گنہگار دل پہ خدا کی مار نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل سے خدا کا نام لئے جا۔ کام کئے جا دنیا کا
کافر ہو دیندار ہو دنیا دار نہیں تو کچھ بھی نہیں

جتنے کھینچتے جاؤ گے اتنا ہی بیٹھا جاؤں گا
انکار کی لذت، آہاہا انکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کہو تو تمہنا جی کے دکھا دوں، دست بدل یا دست بکار؛

ہاں مگر اپنے گوشۂ دل میں یار نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایک جھلک ہی دکھلا دے تو دُور سے جھک کے سلام کروں

اُس پار جگت کے ہوگا کوئی۔ اس پار نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل شکنی یا اُبت شکنی تو یاد ہے اب تک یاروں کو

دستِ یگانہ تیرے گلے کا ہار نہیں تو کچھ بھی نہیں

۱۷

موجِ ہوا سے خاک اگر آشنا نہ ہو
دنیائے گردِ باد کی نشو و نما نہ ہو

صورت نہ پکڑے جلوۂ بے معنیٔ حباب
قطرہ اگر اسیرِ طلسمِ ہوا نہ ہو

دل کو جلا کے سرمۂ بینش بنائیے
آنکھوں سے معرفت کا اگر حق ادا نہ ہو

ایسا نہ ہو کہ تھک کے کہیں بیٹھ جائے دل
دیر و حرم میں گم نگہِ نارسا نہ ہو

سجدہ وہ کیا کہ سر کو جھکا کر اٹھا لیا
بندہ وہ ہے جو بندہ ہو بندہ نما نہ ہو

آمین تک زبان سے نکلتی نہیں۔ یہ کیا
مغرور اتنا اے دلِ بے مدعا نہ ہو

احسان کس کا مانئے کس کا نہ مانئے؛
پردے میں نا خدا کے کوئی دوسرا نہ ہو

امیدِ صلح کیا ہو کسی حق پرست سے
پیچھے وہ کیا ہٹے گا جو حد سے بڑھا نہ ہو

دل نشۂ خودی میں پڑا جھومتا ہے کیا؛
زور آزمائی کو کوئی دو ہاتھ کھڑا نہ ہو

پچھلا پہر ہے، کاتبِ اعمال ہوشیار
آمادۂ گناہ کوئی جاگتا نہ ہو

بار اُترے کیا دوائے امید و بیم سے
جب تک یگانہ دل کو یقینِ خدا نہ ہو

۷۲

تارِ نظر نے باندھ لیا ہے بہار کو — نیرنگئی تصوّرِ بے اعتبار کو

دے کچھ تو دادِ طبعِ ندامت شعار کو — کیا دیکھتا ہے لغزشِ بے اختیار کو

اللہ رے اختیار، کہ آمادہ کر لیا — فکرِ محال پر دلِ بے اختیار کو

بیچارے بدنصیب، گرفتارِ آشیاں — کیا جانیں گرم و سردِ خزان و بہار کو

یاد آئی آشیانۂ پُرخار کی خلش — دل ڈھونڈتا ہی پھر اسی اُجڑے دیار کو

خانہ خرابِ عشق نے دل میں پناہ لی — دارالاماں سمجھ کے اِس اُجڑے دیار کو

دل نے بزورِ عشق لگایا ہے راہ پر — گم گشتگانِ غمکدۂ روزگار کو

سہو و خطا ودیعتِ فطرت سہی مگر — سمجھاؤں کیا ضمیرِ ملامت شعار کو

میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں — کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

کچھ ہوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں تول لے — آغازِ پُرفریب سے انجامِ کار کو

بادِ سحر کجا، پرِ پروانہ شام سے — بھڑکا رہی ہے ننھے شعلۂ بے اختیار کو

دیدار تو دکھائے کہیں صبحِ منتظر — حاضر ہے سر بھی سجدۂ بے اختیار کو

بیگانہ وار ایک ہی رُخ سے نہ دیکھئے — دُنیا کے ہر مشاہدۂ ناگوار کو

ساحلؔ کہاں دوائے امیدّ و بیم کا
تہ پر بٹھا دو یاس دلِ بے قرار کو

۷۳

نظر آئیگا کیا ظلمت کدہ میں چشمِ حیراں کو — اندھیرے کا اُجالا جانئے خوابِ پریشاں کو

دلِ بیدار گھبرائے نہ کیوں اس اندھی نگری میں — نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اک دیارِ بے شبستاں کو

یہ کس نے گرمِ رفتارِ فنا کی راہ کھوٹی کی — بٹھا کر پردۂ فانوس میں شمعِ شبستاں کو

دلِ دیوانہ مجھکو کس بلا کے بن میں لا آیا — اسی میں خیر ہے پھر سے چل الٹے پاؤں زنداں کو

ترا دیوانہ کیوں آزادیٔ موہوم کی دھن میں — سر اپنا آپ پھوڑے توڑ کر زنجیرِ احساں کو

طلسمِ رنگ و بو کیسا فریبِ آرزو کیسا — اٹھا کر رکھ دیا جب طاقِ نسیاں پر گلستاں کو

اسیروں کی یہ خاموشی کسی دن رنگ لائیگی — قفس سے چھوٹ کر سر پر اٹھا لیں گے گلستاں کو

مزاجِ حسن بدلے آسماں بدلے زمیں بدلے — سزائے عشق کیا بدلے گی ذوقِ ناپشیماں کو

سراپا غرق ہو کر لذتِ ترکِ تماشا میں — دکھاؤں گا تماشا ایک دن حسنِ پشیماں کو

مبارک ہو مبارک ساحلِ رحمت پہ دم لینا — قدم مارا تو ڈر کیا پیر جا دریائے عصیاں کو

گرفتارانِ ساحل کو ڈبڑتے ڈر نکل جاتا — کبھی تو زیست مشکل آزماتی مرگِ آساں کو

گناہِ بے حقیقت کو قلم نے کتنا چمکایا — پھڑک اٹھتا ہوں میں جب دیکھتا ہوں فردِ عصیاں کو

ارادہ سے عمل تک کچھ تو اپنا دسترس ہوتا
بغل میں پالتے کیوں پاس دل سے دشمنِ جاں کو

۴۷

بہارِ زندگی ناداں بہارِ جاوداں کیوں ہو
یہ دنیا ہے تو ہر کروٹ وہی آرامِ جاں کیوں ہو

خدارا میرے اُن کے اور کوئی درمیاں کیوں ہو
پیمبر کیوں بنے آخر کسی کا رازداں کیوں ہو

کبھی جلوہ دکھانے ہو تو آئینہ در آئینہ
کھلا پردہ سہی پھر بھی یہ پردہ درمیاں کیوں ہو

مرے دل میں سما کر دیکھ اپنے حسن کا عالم
کسی آئینہ خانے پر نگاہِ امتحاں کیوں ہو

کوئی ناگفتنی مطلب ہے ان نیچی نگاہوں کا
زباں تک آ نہیں سکتا تو آنکھوں سے بیاں کیوں ہو

گنہگارِ محبت کو اسی عالم میں رہنے دے
سزا واجب سہی لیکن بہشت جاوداں کیوں ہو

مرے ہوتے غریبوں کو ستانا اور پچھتانا
تمہیں دردِ پشیمانی نصیبِ دشمناں کیوں ہو

جلایا ایسے ویسوں کو جبھی تو ناک میں دم ہے
ہم ایسے خاکساروں کو تپاؤ تو دھواں کیوں ہو

جفا کو ہم وفا سمجھے۔ نہیں تو جل بسے ہوتے
مگر وہ پوچھتے کیا ہیں کہ تم اب تک جواں کیوں ہو

مزہ جب ہے کہ رفتہ رفتہ امیدیں پھلیں پھولیں!
مگر نازل کوئی فضلِ الٰہی ناگہاں کیوں ہو

ریاضت سے جو حاصل ہو وہی سچی مسرت ہے
میسر آسکے صاحب تو ان داموں گراں کیوں ہو

مرا دشمن خود اپنی موت، تو نے تو نہیں مارا
کوئی مردِ عمل جھوٹی خوشی پر شادماں کیوں ہو

بشر ہوں میں فرشتہ کیوں بنوں؟ جیسا ہوں اچھا ہوں
بغاوت اپنی فطرت سے نصیبِ دشمناں کیوں ہو

زمانہ لاکھ گم ہو جائے آپ اپنے اندھیرے میں
کوئی صاحب نظر اپنی طرف سے بدگماں کیوں ہو

یہ ناہموار ہی ہموار ہو جائے تو کیا کم ہے
زمیں سے جب نہیں فرصت تو فکرِ آسماں کیوں ہو

ارے یہ کیا کہ چاہوں بھی تو حق سے پھر نہیں سکتا
خود اپنے ہاتھوں گمراہی کی کوشش رائیگاں کیوں ہو

سمجھ میں کچھ نہیں آتا پڑھے جاؤں تو کیا حاصل
نمازوں کا ہے کچھ مطلب تو پردیسی زباں کیوں ہو

کہیں رسمی عبادت روح کو بیدار کرتی ہے
نمازِ بے عمل سے حقِ مذہب رائگاں کیوں ہو

اک آنکھیں ہیں کہ تکتی ہیں کسی کو ٹکٹکی باندھے
یہاں سر ہے نہ سودا ہو تو سجدہ دل کا نشاں کیوں ہو

تجھی سے اڑ چلے ہیں پر لگا کر خاک کے پُتلے
خداوندا زمیں سے پست اتنا آسماں کیوں ہو

کہاں خواب و خیال اتنے؟ حقائق ہر طرف جتنے
نگاہِ نارسا یہ نقدِ فطرت رائگاں کیوں ہو

٧٥

برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دور تھے دل سے
مرا ماتھا ابھی ٹھنکا فریبِ رنگِ محفل سے

ارادے نے عمل کی راہ پائی کتنی مشکل سے
الٰہی خیر۔ لو ہو لگ گئی پہلی ہی منزل سے

نہ ترکِ اختیار آسان نہ ضبطِ اضطرار آساں
کوئی ایسا بھی ہو پیاسا پلٹ آئے جو ساحل سے

ہوائے غیب لہراتی ہے دل کو دیکھئے کیا ہو؟
کشش منجدھار کی کس دن لگائے جا ساحل سے

مشیت اپنی تو جانے کوئی گم گشتہ کیا جانے؟
اٹکتا جائے رہزن سے بھٹکتا جائے منزل سے

اسی کو مان لوں برحق زمانہ ساتھ دے جس کا؟
زمانہ وہ جسے مطلب کوئی حق سے نہ باطل سے!

ریاکاری سلامت، ہاتھ سچا پڑ نہیں سکتا
جبھی تو پار جنگِ زرگری رہتی ہے قاتل سے

ہوس کتنی انوکھی، اتقا کتنا جداگانہ!
تمہاری سی ہنسی ہنستا کوئی کیونکر تہِ دل سے

کمالِ عشق کس دھن میں انا لیلیٰ پکار اٹھا
گریباں پھاڑ کر وہ بھی نکل آئے نہ محمل سے

مزاجِ حسن میں بھی درد پیدا ہو چلا شاید
پھڑک اٹھتا تھا ظالم پہلے کیا کیا رقصِ بسمل سے

جزائے خیر دے اللہ اس دیرینہ دشمن کو
بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے

تمیزِ رنگ و بو بھی حیرتِ دیدار پہ صدقے
کوئی کیا جانے میں حاضر ہوا یا غائب ہوا محفل سے

دلِ طوفاں شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے
بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

ٹھہر جانا اشارے پر نہیں آگے نکل جانا
یگانہ سے تجھے مطلب کہ راہ و رسمِ منزل سے

۷۶

نظارہ پہ کیا گزری آشوبِ تماشا سے
ہوش آتے ہی دیوانے کھوئے گئے دنیا سے

دیوانے ہوں شرمندہ کیوں چشمِ تمنا سے
اللہ ری خودبینی باز آگئے لیلےٰ سے

دن بھر تو یہ پروانے جیتے تھے نہ مرتے تھے
کیا کیا نہ اٹھے فتنے اک شعلۂ تنہا سے

دل اپنا جلاتا ہوں کعبہ تو نہیں ڈھاتا
اور آگ لگاتے ہو کیوں تہمتِ بیجا سے

تہ چاٹتا جاتا ہے یہ زور ہے دھارے کا
ٹکرا کے پلٹ آئیں موجیں لبِ دریا سے

اے رہزنِ بے پروا مشکل مری آساں کر
کیوں آنکھ پھراتا ہے گم گشتۂ تنہا سے

ذرہ بھی ہے اک عالم انوارِ الٰہی کا
ادنیٰ ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

حیراں ہیں نظر والے بیتاب ہیں دل والے
کچھ رنگِ تماشا سے کچھ بوئے تمنا سے

کیوں دل کا کنول آخر لہراتا ہے رہ رہ کر
جھونکا کوئی آ پہونچا کیا عالمِ بالا سے

کیا اپنے تئیں دیکھیں کیا ہوگئے اور کیا تھے
رفتارِ نظر عاجز، رفتارِ تماشا سے

جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانئے کل کیا ہو
اک دور کی نسبت ہے امروز کو فردا سے

دنیا کی ہوا کھا کر کیا دُند مچائی تھی
بیٹھے ہو یگانہ اب کیوں بزم میں تنہا سے

۷۷

کس کے دم کی روشنی زندانِ آب و گل میں ہے
کون سا تنہا نشیں وحدت سرائے دل میں ہے

سوچتا ہوں جب تو میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں
ہو نہ ہو کچھ بھید اس اندیشۂ باطل میں ہے

صبح و شامِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سہی
کچھ حقیقت کا بھی جلوہ، جلوۂ باطل میں ہے

کیسے کیسے دل زدہ آوارۂ صحرا ہوئے
روئے لیلیٰ جس طرح محمل میں تنہا محمل میں ہے

گرم رفتاری پہ گمراہوں کو کیا کیا ناز ہیں — کون سمجھے یہ دلِ آگاہ کس منزل میں ہے

الوداع اے ناخدا، نامحرم رازِ فنا — گوہرِ مقصود دریا میں ہے یا ساحل میں ہے!

بانا آسا حل پہ غوطے کھانے والے باز آ — ڈوب مرنے کا مزہ دریا سے بڑھ ساحل میں ہے

شامِ غربت بھی ہے روشن راہ رہی یادِ وطن — یاد کیا ہے اک اندھیری کا اُجالا دل میں ہے

کھیل ہے حُسنِ نظر کا، شمع کیا پروانہ کیا؟ — دل ہے جبتک دل میں بھی تب تک روشنی محفل میں ہے

انجمن میں چاہے وہ حاضر نہ ہوں غائب سہی
دل یہ کہتا ہے یگانہ کی جگہ ہر دل میں ہے

۷۸

کیوں کسی سے وفا کرے کوئی — دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

موت بھی آ نہ سکی منہ مانگی — اور کیا التجا کرے کوئی

مفلسی میں مزاج شاہانہ — کس مرض کی دوا کرے کوئی

عشق بازی کی انتہا معلوم — شوق سے ابتدا کرے کوئی

کوہکن اور کیا بنا لیتا؟ — بن کے بگڑے تو کیا کرے کوئی

دردِ دل پھر کہیں نہ کروٹ لے — اب نہ چھیڑے خدا کرے کوئی

ہنس بھی لیتا ہوں اوپری دل سے — جی نہ بہلے تو کیا کرے کوئی

اپنے دم کی ہے روشنی ساری — دیدۂ دل تو وا کرے کوئی

شمع کیا، شمع کا اُجالا کیا؟ — دن چڑھے ہے سامنا کرے کوئی

غالب اور میرزا یگانہ کا
آج کیا فیصلہ کرے کوئی

۷۹

خدا کی مار وہ ایامِ شور و شر گذرے — وہ جن سوار تھا سر پر کہ سر سے در گذرے

مرے فرشتے بھی شاید ہیں آپکے جاسوس — کہ آہ کرتے ہی پرچہ لگے خبر گذرے

حلال بھی مرے حق میں حرام واویلا — نگاہِ شوق سے کیا کیا گل و ثمر گذرے

جو سبز باغِ تمنا پہ پھیر دے پانی — خدا بچائے ہم ایسی نظر سے در گذرے

نکالے عیب ہیں سو حسن، حسن میں سو عیب — خیال ہی تو ہے، جیسا بندہ جدھر گذرے

زمین پاؤں تلے سے نکل گئی تو کیا — ہم اپنی دھن میں زمانے سے بے خبر گذرے

خدا کے بعد بھروسا ہے حضرتِ دل کا — خدانخواستہ شک ایسے دوست پر گذرے

مزہ نہ پوچھئے واللہ دل دکھانے کا — کہاں کا خوفِ خدا ٹھان لی تو کر گذرے

ادب کیواسطے کتنوں کے دل دکھائے ہیں
یگانہ حد سے گذرنا نہ تھا مگر گذرے

۸۰

نہ جانے کیا ہو یہ دیوانہ جس جگہ بیٹھے — خودی کے نشہ میں کچھ ان کہی نہ کہہ بیٹھے

سنبھل کے توڑئے تلوار، دیکھئے ہتیار — کہیں کلائی پہ دستِ ہوس نہ گہہ بیٹھے[۱]

کہیں کے رہتے نہ آوارگانِ بد آغاز — قدم قدم پہ خطا پائی جب تو وہ بیٹھے

مثالِ خس جو دریڑوں میں بہ گئے تو کیا — اوسی کے گھر ہیں یہاں ڈوبکر جو تہ بیٹھے

معاملہ ہے دلِ دوست کا بڑا نازک — کروں جو آہ تو گردِ نفس کی تہ بیٹھے

امیدوار ہیں حسانِ دوست کے ہم بھی — وفا کی داد نہ دی بیوفا ہی کہہ بیٹھے

[۱] گہہ بیٹھے ہٹھیٹھ ہندی کا محاورہ ہے یعنی ایسی گرفت کہ چھڑائے نہ چھوٹے۔ ہندی شاعر کہتا ہے۔۔۔
"شیام ہرے موری بہیاں گہو نا"

یگانہ آپ کی بالا روی کے کیا کہنے
مجال کیا ہی جو دامن پہ گرد رہ بیٹھے

۸۱

حسن پر فرعون کی پھبتی کہی — ہاتھ لانا یار کیوں کیسی کہی
دامنِ یوسف ہی بھڑ کا تار تھا — عشق اور ترکِ ادب اچھی کہی
کون سمجھائے کہ دنیا گول ہے — آپ نے جیسی سنی ویسی کہی
کوئی ضد تھی یا سمجھ کا پھیر تھا — من گئے وہ میں نے جب الٹی کہی
درد سے پہلے کر دل فکرِ دوا — واہ یہ اچھی الٹوانسی کہی
دوست سے پردہ کیا یہ کیا کیا — آپ بیتی چھوڑ جگ بیتی کہی
شک ہے کافر کو مرے ایمان میں — جیسے میں نے کوئی منہ دیکھی کہی
کیا خبر تھی یہ خدائی اور ہے — ہائے ہم نے کیوں خدا لگتی کہی

مفت میں سن لی یگانہ کی غزل
ان سنی کر دی جو مطلب کی کہی

۸۲

کس دل سے ترکِ لذتِ دنیا کرے کوئی — وہ خوابِ دلفریب کہ دیکھا کرے کوئی
کیا سہل ہے کہ ترکِ تماشا کرے کوئی — دل سے نہ ہو تو آنکھ سے توبہ کرے کوئی
غنچہ کے دل میں کچھ نہ تھا اک آہ کے سوا — پھر کیا شگفتگی کی تمنا کرے کوئی
آنکھیں ہوں جسکے آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑ لے — درد اپنا وہ نہیں کہ ٹٹولا کرے کوئی

دلِ مضطرب، نگاہ گرفتارِ کشش جہت — فرمائیے کدھر کا ارادہ کرے کوئی

یادش بخیر، یادِ خدا آ ہی جاتی ہے — اپنی طرف سو لاکھ بھلایا کرے کوئی

اُسکی نگاہِ شوق کے قربان جائیے — تجھ ایسے بے نشان کو جو پیدا کرے کوئی

طاعت ہو یا گناہ، پسِ پردہ خوب ہے — دونوں کا جب مزہ ہے کہ تنہا کرے کوئی

بندے نہ ہوں گے جتنے خدا ہیں خدائی میں — کس کس خدا کے سامنے سجدہ کرے کوئی۔

حسنِ یگانہ آپ ہی اپنا حجاب ہے
حسنِ حجاب دور سے دیکھا کرے کوئی

٨٣

اتنا تو زندگی کا کوئی حق ادا کرے — دیوانہ وار حال پہ اپنے ہنسا کرے

کیوں یار تو ہی دل سے بھلا دے تو کیا کرے — بندہ ترا دعا نہ کرے بد دعا کرے

ایسی جھکی ادھر کہ نہ اٹھی کسی طرف — در دیدہ وہ نگاہ کہاں تک وفا کرے

کس منہ سے ہنس پڑے تھے ہم انجامِ حسن پر — کون اس گناہ گار کے حق میں دعا کرے

جاتی ہے کس کی پیش تری بارگاہ میں — البتہ کوئی گونگی زباں التجا کرے

سرکار ہاتھ اٹھائیے میرے سلام سے — اٹھتے ہی دستِ شوق مبادا خطا کرے

کیا پوچھتے ہو عشق کا جن ہے وہ بد بلا — تم پر سوار ہو تو خدا جانے کیا کرے

مذہب کے ساتھ ساتھ ہے شیطان کا بھی ڈر — دیوانہ تیرا ایک نہ مانے خدا کرے

آنکھوں کے آگے پھر کوئی پردہ سا اٹھ چلا — شاید امید وہم میں پھر مبتلا کرے

ہاتھ آئے کوئی چاند ستارہ تو جانیئے — ہے عرش پر دماغِ فلاطوں ہوا کرے

رفتارِ زندگی میں سکون آئے کیا مجال — طوفاں ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے

پھر میری بندگی نہ یگانہ کی صاحبی
صاحب وہ کیا جو بندہ کو اپنے دغا کرے

٨٤

زمانہ خدا کو خدا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

اسی میں دل اپنا بھلا جانتا ہے
کہ اک ناخدا کو خدا جانتا ہے

وہ کیوں سر کھپائے تری جستجو میں
جو انجامِ فکرِ رسا جانتا ہے

وہی منہ چھپانا وہی لن ترانی
تو اس کے سوا اور کیا جانتا ہے

خدا ایسے بندے کو کیوں پھر نہ جانے
جو بیٹھا دعا مانگنا جانتا ہے

فرشتوں کی پرواز کو مانتا کیا؟
جو دل کی تڑپ کو رسا جانتا ہے

وہ کیوں پھول توڑے وہ کیوں پھول سونگھے
جو دل کا دکھانا برا جانتا ہے

برائی میں تو دیکھتا ہے بھلائی
تو کیا بوم کو بھی ہما جانتا ہے

جسے موت مانگے نہ ملتی ہو واللہ
وہی زندگی کا مزہ جانتا ہے

کدھر جا رہا ہے ترا خوں گرفتہ؟
مگر غیب کا راستا جانتا ہے

رہے سہوِ کاتب کہ سارا زمانہ
مجھی کو سراپا خطا جانتا ہے

انوکھا گنہگار، یہ سادہ انسان
نوشتہ کو اپنا کیا جانتا ہے!

یگانہ تو ہی جانے اپنی حقیقت
تجھے کون تیرے سوا جانتا ہے

۸۵

کیوں ہوش میں پھر آیا کیوں ہاتھ مل رہا ہے
حد سے گزرنے والے تیری یہی سزا ہے

صورت ہی ایسی پیاری دیکھو تو رال ٹپکے
فطرت کا اقتضا ہے بندے کی کیا خطا ہے؟

آئینہ ہو گا ٹیڑھا ایسا تو میں نہیں ہوں
دن دیکھنے یہ دھوکا اک طرفہ ماجرا ہے

یک جان اور دو قالب ہونگے تو دو بجا ہوں گے
وہ میں جو تیرا ہے آنکھوں کا ٹھیکرا ہے

تو حسن کا ہے دیوتا میں عشق کا پیمبر
دیکھیں تو کون اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے

آغوش میں اب ان کو کیا کھینچتی ہے دنیا
بیگانگی نے جن کو اپنا بنا لیا ہے

منزل کی فکر کیوں ہو جب تو ہو اور میں ہوں
پیچھے نہ پھر کے دیکھوں کعبہ بھی ہو تو کیا ہے

دستِ دعا سے اٹھا پردہ جو درمیاں تھا
اٹھتی ہے آنکھ کیونکر اب یہ بھی دیکھنا ہے

غواصِ رمزِ فطرت، ساحل کے پاس پہلے
غوطے لگا رہا تھا اب غوطے کھا رہا ہے

جان آتے آتے اک دن آجائے تو عجب کیا

اُمید کا غبارا ہی پتلا تو بن چکا ہے

کیوں آپ سے یگانہ بیگانہ ہے زمانہ

"غالب شکن" جو ٹھہرے پھر پوچھنا ہی کیا ہے

۸۶

حاصلِ فکرِ نارسا کیا ہے؟ ۔۔۔ تو خدا بن گیا، بُرا کیا ہے

کیسے کیسے خدا بنا ڈالے ۔۔۔ کھیل بندے کا ہے خدا کیا ہے

آئی کو ٹال دے جبھی جانیں ۔۔۔ دم بخود ہے تو پھر خدا کیا ہے

دل ہے اپنی جگہ خدا اپنا ۔۔۔ ہم غریبوں کا آسرا کیا ہے

دردِ دل کی کوئی دوا نہ دعا ۔۔۔ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

لد گئی کل کی بات کل کیا تھا ۔۔۔ یاد آئے تو اب مزہ کیا ہے

نہ سنا ہو گا راگ فطرت کا ۔۔۔ جانتے ہو مری صدا کیا ہے

وہی نیرنگئ طلسم ہوا ۔۔۔ موج کیا اور بلبلا کیا ہے

دیدۂ دل سے دیکھ اپنی طرف ۔۔۔ چشمِ حیراں تجھے ہوا کیا ہے

نور ہی نور ہے کہاں کا ظہور ۔۔۔ اٹھ گیا پردہ اب رہا کیا ہے

رہنے دے حُسن کا ڈھکا پردہ ۔۔۔ وقت بے وقت جھانکتا کیا ہے

عکس میرا بھی پڑ گیا ناگاہ ۔۔۔ ارے آئینہ کی خطا کیا ہے

وق[illegible] کی بات اور وقت کے ہاتھ ۔۔۔ سہو کیا چیز ہے خطا کیا ہے

ملہ • "غالب شکن" یگانہ کی ایک کتاب کا نام ہے جس نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔

زہر میٹھا نہ ہو تو زہر ہی کیا — دوست جب دے تو پوچھنا کیا ہے

کیا ٹلے گی مشیتِ ازلی — اک تسلّی سی ہے دعا کیا ہے

اپنے ہی عکس پر ہو چیں بہ جبیں

کیوں یگانہ یہ ماجرا کیا ہے

۸۷

فریبِ نفس کا جب احتمال ہوتا ہے — تو فرقِ عشق و ہوس بھی محال ہوتا ہے

بقدرِ حوصلہ ملتی ہے دادِ عشق و ہوس — مزاجِ حسن میں کیا اعتدال ہوتا ہے

یہ عیب ہے کہ مٹائے سے مٹ نہیں سکتا — وہ حسن ہی جو سریع الزوال ہوتا ہے

یہ کیا صفت ہے کہ ایک ایک خاک کا پُتلا — جہاں ہیں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے

نئی زمین نیا آسماں نئی دنیا — عجیب شے یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے

کتابِ عمر ہے گویا انیسِ تنہائی — نظر میں قصّہ ماضی و حال ہوتا ہے

خراب ہو چلی زندانِ آب و گل کی ہوا — اب ایک سانس بھی لینا محال ہوتا ہے

امّید و بیم کا کوسوں پتہ نہیں ملتا — خراب جب یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے

خدا میں شک ہے تو ہو موت میں نہیں کوئی شک — مشاہدے میں کہیں احتمال ہوتا ہے

بھڑکتی جاتی ہے شوقِ فنا میں شمع کی لَو — نسیمِ صُبح سے اور اشتعال ہوتا ہے

زلال و دُرد میں دونوں دوائے درد و خمار — بس ایک گھونٹ میں چہرہ بحال ہوتا ہے

قفس میں ذکرِ نشیمن گناہِ بے لذت — نہ ہمزباں نہ کوئی ہمخیال ہوتا ہے

بہارِ عمرِ گذشتہ پہ بھیجئے صلواۃ — خزاں میں ذکرِ خزاں حسبِ حال ہوتا ہے

خزاں کی ضد پہ یہ اندھی ہر باغباں سنکر   چمن کو آگ لگا کر ہنساں ہوتا ہے

نگاہِ یاس سے اوجھل ہے کاروانِ عدم
جرس کے شور سے دل پائمال ہوتا ہے

۸۸

ارے یہ کھیل ہیں بادشاہ کار قدرت کے   نکل سکے نہ کوئی دو بھی ایک صورت کے

دکھائی خوابِ پریشان نے سیرِ رنگارنگ   بھرم کھلے نہ طلسماتِ بے حقیقت کے

ہمیشہ منتظرِ انقلاب رہتے ہیں   مزاجداں ہیں جو ہنگامہ رازِ فطرت کے

بلند و پست برابر ہیں اپنی آنکھوں میں   خیالِ خام ہے یا دولے ہیں ہمت کے

ٹھٹک رہے حرم و دیر کے دوراہے پر   خلاف جا نہ سکے شاہ راہِ فطرت کے

دکھائی موت نے تصویرِ وعدۂ فردا   ہوائے شوق نے پردے اٹھائے غفلت کے

گلا نہ کاٹ سکے اپنا و لئے ناکامی   پہاڑ کاٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے

وطن تو کیا ہے ہوائے وطن سے ہیں بیزار   لپٹ رہے جو بگولوں سے دشتِ غربت کے

زمیں پہ نور کے پتلوں ڈکیوں ڈھیمی دی ہے   کفن نے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے

سعادتِ ابدی ہے مشیتِ ازلی   ہوں فضول بھرے سے یہ حُسنِ خدمت کے

اسی نے ناک کیا تھا اسی نے پاک کیا   خوش النصیب جو پالے پڑے محبت کے

نگاہِ یاس ہے آئینۂ غمِ فردا
نظر کے سامنے سامان ہیں قیامت کے

۸۹

پیشتی سے ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے   پلٹ کر اک سلام شوق کر لیتا ہوں منزل سے

نظر آئے جب آثارِ جدائی رنگِ محفل سے — نگاہِ یاس بیگانہ ہوئی یارانِ یکدل سے

ابھرنے کے نہیں بحرِ فنا میں ڈوبنے والے — دُرِ مقصود ہی گم ہو تو پھر کیا کام ساحل سے

تصورِ لالہ و گل کا خزاں میں بھی نہیں ہٹتا — نگاہِ شوق وابستہ ہو اشک نقشِ باطل سے

نہیں معلوم کیا لذت اٹھائی ہے اسیری میں — دلِ وحشی پھڑک اٹھتا ہو آوازِ سلاسل سے

کسی شیشے میں نہ ہوگی بادۂ عرفاں کی گنجائش — لڑا دے ساغرِ جم کو بھی کوئی شیشۂ دل سے

تصور نے دکھایا شاہدِ مقصود کا جلوہ — اتر آئی ہے لیلیٰ سرزمینِ دل پہ محمل سے

رہے گی چار دیوارِ عناصر درمیاں کب تک — اٹھے گا زلزلہ اک دن اسی بیٹھے ہوئے دل سے

کہاں تک پردۂ فانوس ہو سر کی بلا ملتی — ازل سے لاگ تھی بادِ فنا کو شمعِ محفل سے

یہیں سے سیر کر لو یاسؔ اتنی دور کیوں جاؤ
عدم آباد کا ڈانڈا ملا ہے کوئے قاتل سے

۹۰

موت آئی آنے دیجئے پروا نہ کیجئے — منزل ہے ختم سجدۂ شکرانہ کیجئے

ناآشنائے حسن کو کیا اعتبارِ عشق — اندھوں کے آگے بیٹھ کے رویا نہ کیجئے

تہ کی خبر بھی لائے ساحل کے شوق میں — کوشش بقدرِ ہمتِ مردانہ کیجئے

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجئے

۹۱

دکھائی آج ہی آنکھوں نے صورت فردا — خزاں کی سیر بھی ہنگامۂ بہاراں میں ہے

غبار بن کے لپٹتی ہے دامنِ دل سے — مٹے بھی گی وہی دل لگی بہار میں ہے

ہنوز گوش بر آواز غیب ہے کوئی ۔ امید وار ازل ابتک انتظار میں ہے

دوا ہیں اور دعا میں تو اب اثر معلوم ۔ بس اک امیدِ اثر ضبطِ ناگوار میں ہے

قسم ہے وعدۂ صبر آزمائے جاناں کی
کہ لذّتِ ابدی ہے تو انتظار میں ہے

۹۲

اپنی ہستی خود ہم آغوش فنا ہو جائیگی ۔ موجِ دریا آپ ساحل آشنا ہو جائیگی

تہ کا اندیشہ رہے گا پھر نہ ساحل کی ہوس ۔ دل سے جب قطع امیدِ بے وفا ہو جائیگی

شب کی شب بزمِ طرب ہے پردہ دار انقلاب ۔ صبح تک آئینہ عبرت نما ہو جائے گی

جانِ ایماں ہے ابھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
کیفیت میں ڈوب کر کیا جانے کیا ہو جائیگی

۹۳

آ رہی ہے یہ صدا کان میں ویرانوں سے ۔ کل کی ہے بات کہ آباد تھے دیوانوں سے

لے چلی وحشتِ دل کھینچ کے صحرا کی طرف ۔ ڈنڈی ٹھنڈی جو ہوا آئی بیابانوں سے

پاؤں پکڑے نہ کہیں کوچۂ جاناں کی زمیں ۔ خاک اُڑاتا جو نکل آؤں بیابانوں سے

نکلے چُن جا کے کسی کوچہ میں او دستِ جنوں ۔ کیوں اُلجھتا ہے عبث چاک گریبانوں سے

آج ہی کل میں ہے چلنے کو نسیم وحشت ۔ تنگ آنے لگے دیوانے گریبانوں سے

نہیں معلوم اُن آنکھوں کا اشارہ کیا تھا ۔ جنگ پر تل گئے کُفّار مُسلمانوں سے

آنکھ اٹھا کر نہ کسی سمت قفس سے دیکھا ۔ موسم گل کی خبر سنتے رہے کانوں سے

چلتے چلتے تو گلے شمع سے مل لیں اٹھکر   اب سحر ہوتی ہے کہدو کوئی پروانوں کو

کیا کوئی پوچھنے والا بھی اب اپنا نہ رہا
دردِ دل رونے لگے یاسؔ جو بیگانوں سے

۹۴

دردِ دل روئیں کس امید پہ بیگانوں سے   صبح ہونے کی نہیں یاسؔ اس افسانے سے

ہوسِ عالمِ بالا نے کیا ہے دل تنگ   روح گھبرا گئی اب جسم کے کاشانے سے

حسنِ معنی کے جو شیدا ہیں ادھر کیا دیکھیں   صورت آبادِ جہاں کم نہیں ویرانے سے

اور پردے کی ملاقات کرے گی اندھیر   شمع کیوں چھپتی ہو فانوس میں پروانے سے

آگ ہیں کو دپڑا دل کی لگی وہ شے ہے   آتشِ شوق کو پوچھے کوئی پروانے سے

ساقیا دل کی ہوس مٹ نہ سکی بھیری ہیں   پیاس بجھتی نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

دور سے دیکھنے کے یاسؔ گنہگار ہیں بس
آشنا تشنہ نہ ہوئے لب کبھی پیمانے سے

۹۵

اوداسی چھا گئی چہرے پہ شمع محفل کے   نسیمِ صبح سے شعلے بھڑک اٹھے دل کے

عجب نہیں کہ بپا ہو ہیں سے فتنہ حشر   زمانہ بھر میں ہیں سارے فساد اسی دل کے

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں رکھتے   جب آئے قافلے والے قریب منزل کے

نظارۂ رخِ لیلیٰ مبارک اے مجنوں   نگاہِ شوق نے پردے اٹھائے محمل کے

زبانِ یاسؔ سے افسانۂ سحر سنئے
وہ رونا شمع کا پروانوں سے گلے مل کے

۹۶

ٹھوکریں کھلوائیں کیا کیا پائے بے زنجیر نے
گردشِ تقدیر نے جولانیٔ تدبیر نے

عالمِ اسباب سے کیا نہیں ناکامی ملا
راہ پر لا کر مجھے بھٹکا دیا تقدیر نے

کارواں کتنے بگولے بن کے غائب ہو گئے
خاک یکساں کیا جولانیٔ تدبیر نے

بارہا آئے زندگی کے خوابِ نگارنگ سے
دست و پا گم کر دیئے اندیشۂ تعبیر نے

دادخواہی کو اٹھا ہے ذرّہ پامال گشت
سوتے فتنوں کو جگایا تیرِ عالمگیر نے

ماتمِ حسرت کیا پہلے گریباں پھاڑ کر
پھر دعا دی دشمنوں کو دستِ بے شمشیر نے

جان دے کر ایک حکمِ آخری مانو تو کب
لکھ دیا جب سرکشوں میں کاتبِ تقدیر نے

۹۷

بختِ بیدار اگر سلسلہ جنباں ہو جائے
شام سے بڑھ کے سحر دست و گریباں ہو جائے

پڑھ کے دو کلمے اگر کوئی مسلماں ہو جائے
پھر تو حیواں بھی دو دن میں انساں ہو جائے

آگ میں ہو جسے جلنا تو وہ ہندو بن جائے
خاک میں ہو جسے ملنا وہ مسلماں ہو جائے

درد کا قحط ہو، دل کا کوئی گاہک نہ رہے
ولولے بے عشق کے بازیچۂ طفلاں ہو جائے

خوابِ شیریں نہ سہی خوابِ پریشاں ہی سہی
دل بہلنے کا سببِ غم کوئی ساماں ہو جائے

دل کو کچھ زندگیٔ عشق کی لذت تو ملے
خاک سے پاک ہو یا خاک سے یکساں ہو جائے

موت کی یاد میں نیند اور بھی اڑ جاتی ہے
نیند آ جائے تو کچھ موت کا ساماں ہو جائے

پاؤں پھیلاتے ہیں دو دم کے اسیرانِ ہوس
چاہتے ہیں قفسِ تنگ گلستاں ہو جائے

نشۂ حسن کو اس طرح اترتے دیکھا — عیب پر اپنے کوئی جیسے پشیماں ہو جائے

پاسِ بیداریٔ موہوم ہے ساری ہستی
آنکھ ہو بند تو سب خواب پریشاں ہو جائے

۹۸

مزہ گناہ کا جب تھا کہ با وضو کرتے — بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رو کرتے

کبھی نہ پرورشِ نخلِ آرزو کرتے — نمو سے پہلے جو اندیشۂ نمو کرتے

سنیں نہ دل سے تو پھر کیا پڑی تھی خاروں کو — کہ گُل کو محرمِ انجامِ رنگ و بو کرتے

گناہ تھا بھی تو کیا گناہِ بے لذت — نفس میں بیٹھ کے کیا یادِ رنگ و بو کرتے

دلیلِ راہِ دلِ شب چراغ تھا تنہا — بلند و پست میں گزری ہے جستجو کرتے

فلک نے بھول بھلیوں میں ڈال رکھا تھا — ہم اُن کو ڈھونڈھتے یا اپنی جستجو کرتے

ازل سے جو کششِ مرکزی کے تھے پابند — ہوا کی طرح وہ کیا سیرِ چار سو کرتے

بہانہ چاہتی تھی موت بس نہ تھا اپنا — کہ میزبانیٔ مہمانِ حیلہ جو کرتے

اسیرِ حال نہ مُردوں میں ہیں نہ زندوں میں — زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے

پناہ ملتی نہ اُمیدِ بے وفا کو کہیں — ہوس نصیب اگر ترکِ آرزو کرتے

ازالہ دل کی نجاست کا اور کیا ہوتا — جلا کے خاک نہ کرتے تو کیا لہو کرتے

یگانہ کم سے کم اتنی تو لاج رکھنی تھی!
کہ لکھنؤ سے وفا اہلِ لکھنؤ کرتے

۹۹

ازل سے سخت جاں آمادۂ صد امتحاں آئے — عذابِ چند روزہ یا عذابِ جاوداں آئے

کنول روشن تو ہو دل کا، پیامِ ناگہاں آئے
بلا سے شامتِ پروانۂ آتش بجاں آئے

بہارستانِ عبرت میں یہ گل کیا خار کیا خس کیا
سراپا سب کے سب آلودۂ رنگِ خزاں آئے

وہی آغوشِ ساحل اور وہی منجدھار کو ڈوبے
پلٹ کر خاک میں ملنے کہاں سے پھر کہاں آئے

زہے احسانِ بے حاصل کہ دن کو دن اسیرِ قفس کو
اجل کیسا تھا حکمِ بازگشتِ آشیاں آئے

حق اپنی دھن کا پکا، باطل اپنے زعم میں پورا
الٰہی گفتگوئے صلح کیونکر درمیاں آئے

خیالِ خام ہے یا معنیٔ موہوم کیا جانیں
سمجھ میں رازِ فردا کیوں نصیبِ دشمناں آئے

یہ خونِ بیدلی ہیں کیا کہوں کیوں لہر پیدا ہے
مبادا غیب سے کوئی نویدِ ناگہاں آئے

حریمِ ناز کیا ہے جلوہ گاہِ بے تماشا ہے
نگاہِ یاس کہتی ہے کدھر آئے کہاں آئے

۱۰۰

دیکھا دیکھی جو کوئی آپ کا دیوانہ بنے
نقد کیا جان بھی دے بیٹھے تو سودا نہ بنے

رات دن شوقِ رہائی میں کوئی سر پٹکے
کوئی زنجیر کی جھنکار سے دیوانہ بنے

آپ آتے تھے مگر موت کو پہلے بھیجا
چال ایسی تو چلے کوئی کہ جھوٹا نہ بنے

کیوں اجل ہے کوئی ایسا کہ مرا منہ سی دے
بات اپنی نہیں بننے کی تو اچھا نہ بنے

بجھ گیا دل کا کنول کشمکشِ شوق کے جب
شمعِ خاموش کا کیونکر کوئی پروانہ بنے

دل وہی دل ہے جو ہو اپنی حرارت سے فنا
خاک ہو جائے مگر آگ بگولہ نہ بنے

ڈوب کر دیکھے تو انسان کہیں کا نہ رہے
عین حکمت ہے اگر آپ سے بیگانہ بنے

دل آگاہ پہ جادو نہ چلے گا کوئی
ہاں مگر مصلحتِ وقت سے بیگانہ بنے

نگہ یاس ارے توبہ جدھر اٹھ جائے
دل تو کیا عالمِ ایجاد بھی ویرانہ بنے

۱۰۱

نگاہِ شوق ہوتی یا نگاہِ واپسیں ہوتی !
بہر صورت زبانِ گنگ معنی آفریں ہوتی

امید و بیم روز افزوں وبالِ جان و دل ٹھہری
فنا کے بعد بھی تا حشر یکسوئی نہیں ہوتی

وہ محرم ازل ہیں دھیان میں لاتا نہیں کوئی
محبت کیا نگاہوں سے عداوت تک نہیں ہوتی

نگاہِ مضطرب کی حد ہے فانوسِ خیالی تک
قیامت تھی اگر پروانۂ شمعِ یقیں ہوتی

ازل سے کشتیٔ امید بھی بیگانۂ ساحل
جہاں پایاب ہے دریا وہاں بھی تہ نشیں ہوتی

غضب ہے منہ چھپانا سجدۂ ناحق کے پردے میں
بلا سے تختۂ مشقِ ستم لوحِ جبیں ہوتی

فقط دل کی بدولت گرم ہے پہلوئے جاں ورنہ
جسد میں روح اک دیوانۂ تنہا نشیں ہوتی

خزاں سے پہلے ہی کاش اپنی آنکھیں بند ہو جاتیں
بہارِ اولیں ہوتی نگاہ واپسیں ہوتی

جو رو سکتے تو آنسو پونچھنے والے بھی مل جاتے
شریکِ رنج و غم دامن سے پہلے آستیں ہوتی

دمِ آخر فریبِ جلوۂ بیرنگ نے مارا
نگاہِ یاس ورنہ کیوں گنہگارِ یقیں ہوتی

۱۰۲

دل عجب جلوۂ امید دکھاتا ہے مجھے ۔
شام سے یاس سویرا نظر آتا ہے مجھے

دل کو لہراتا ہے ہنگامۂ زندانِ بلا ۔
شورِ ایذا طلبی وجد میں لاتا ہے مجھے

پلنے آزاد ہے زنداں کی چلن سے باہر
بیڑیاں کیوں کوئی دیوانہ بناتا ہے مجھے

ہنس کے کہتا ہے کہ گھر اپنا قفس کو سمجھو — سبق النّاس اسیا دپڑھاتا ہے مجھے
جیسے دوزخ کی ہوا کھا کے ابھی آیا ہے — کس قدر واعظ مکار ڈراتا ہے مجھے
پھٹ پڑیں اب بھی در و بام تو پردہ رہ جائے — فلکِ خانہ خراب آنکھ دکھاتا ہے مجھے
دیدنی ہے چمن آرائیِ چشم عبرت — سیرِ تازہ گلِ پژمردہ دکھاتا ہے مجھے
لبِ دریا کا ہوا ہیں نہ تہِ دریا کا — کون سے گھاٹ یہ دھارا لئے جاتا ہے مجھے
جلوۂ دار و رسن اپنے نصیبوں میں کہاں — کون دنیا کی نگاہوں پہ چڑھاتا ہے مجھے
ننگِ محفل مرا زندہ مرا مردہ بھاری — کون اٹھاتا ہے مجھے کون بٹھاتا ہے مجھے

یاسؔ منزل ہے مری منزل عنقائے کمال
لکھنؤ میں کوئی کیوں ڈھونڈنے آتا ہے مجھے

۱۰۳

ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے — جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہو جائے
خاک کا پتلا ہے رفتارِ نمو سے مجبور — ہمہ تن سنگ بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے
حُسن وہ حُسن کبھی جس کی حقیقت نہ کھلے — رنگ وہ رنگ جو ہر رنگ میں شامل ہو جائے
حُسنِ بیرنگ کہیں رنگ پکڑ سکتا ہے؟ — پردہ جبتک نہ کوئی بیچ میں حائل ہو جائے
حق ہیں اوروں کے تری ذات سراپا احسان — وائے قسمت کہ مری ضد سے تو عادل ہو جائے
زندہ در گور ہوں موت آئے تو سر آنکھوں پر — مگر ایسا نہ ہو مہماں کوئی نازل ہو جائے
کون ٹھہرائے پھر اس کشتیِ بے لنگر کو — دل اگر دردِ خداداد کی منزل ہو جائے
صُلح جوئی نے گنہگار مجھے ٹھہرایا — جرم ثابت جو کیا چاہو تو مشکل ہو جائے
بھولنا سہل گناہوں کا بھلانا مشکل — تو جو یاد آئے تو آسان یہ مشکل ہو جائے

ناخدا کو نہیں اب تک تہِ دریا کی خبر — ڈوب کر دیکھیے تو بیگانۂ ساحل ہو جائے

ایک ہی سجدہ کیا دوسرے کا ہوش کجا — اب ایسے سجدے کا یہ انجام کہ باطل ہو جائے

اپنی خود اپنی مشیت پہ جو آجائے کوئی
باتیں سب حسنِ عمل دفترِ باطل ہو جائے

۱۰۴

نہ انتقام کی عادت نہ دل دکھانے کی — بدی بھی کر نہیں آتی سبب مجھے کہاں جانے کی ؟

دہائی ہے دلِ درد آشنا دہائی ہے — کہ آہِ سرد یہ تہمت ہے دل دکھانے کی

سمجھ میں آئی نہ زندانِ ششِ جہت کی کشش — کہ پاؤں رکھنے کی جا ہے نہ بھاگ جانے کی

ہوا کے ساتھ پھرے چار سمت آوارہ — قدم اٹھائے جو رفتار پہ زمانے کی

ہر ایک ذرہ سے آتی ہے بوئے زندہ دلی — نہ جانے خاک ہے اپنی کس آستانے کی

پلٹ کے گل میں نہ آئے گی بوئے مستانہ — نکل کے روحِ رواں منھ نہیں دکھانے کی

اب اپنے ختمِ سفر میں کچھ ایسی دیر نہیں — جو دیر ہے تو فقط تھک کے بیٹھ جانے کی

جو ڈوبتے کو بچائے وہ آپ بھی ڈوبے — عوض ہے دونوں کا یکساں بدی ہو یا نیکی

ہوس ہے سلسلہ جنبانِ سعیِ لاحاصل
بھری ہے سر میں ہوا قسمت آزمائی کی

۱۰۵

ہے جان کا ساتھ اور اک ایمان کا ڈر بھی — وہ شوخ کہیں دیکھ نہ لے مڑ کے ادھر بھی

وہ ہم سے نہیں ملتے ہم ان سے نہیں ملتے — اک نازِ دل آویز ادھر بھی ہے ادھر بھی

اللہ ری بیتابیِ دل وصل کی شب کو — کچھ نیند بھی آنکھوں میں ہے کچھ غم کا اثر بھی

کھول آنکھیں ذرا مست ہو کیا ساغرِ جم سے
ہو گردشِ ایام کی کچھ تجھ کو خبر بھی

وہ کشمکشِ غم ہے کہ میں کہہ نہیں سکتا
آغاز کا افسوس اور انجام کا ڈر بھی

دیکھے کوئی جاتی ہوئی دنیا کا تماشا
بیمار بھی سر دھنتا ہے اور شمعِ سحر بھی

بجھتی ہوئی اک شمع ہوں کیا دم کا بھروسا
دشمن ہے مری جان کی اب آہِ سحر بھی

کس شان سے آتی ہے مری شامِ مصیبت
وہ دیکھو جلو میں ہے قیامت کی سحر بھی

صحرا کی ہوا کھینچے لئے جاتی ہے مجھ کو
کہتا ہے وطن دیکھ ذرا پھر کے ادھر بھی

ہاں کٹ گئی شاید مرے دیوانگی بیڑی
پچھلے پہر آئی تھی کچھ آواز ادھر بھی

کیا وعدۂ دیدار کو سچ جانتے ہو یاسؔ
لو فرض کرو آئی قیامت کی سحر بھی

۱۰۶

کھل گئے عیب و ہنر سب کاتبِ تقدیر کے
رنگ ہیں آمادۂ پرواز ہر تصویر کے

کوئی تصویرِ خزاں ہے کوئی تصویرِ بہار
دیدنی ہیں کارنامے خامۂ تقدیر کے

کارخانہ تھا ہوا پر حسنِ مشتِ خاک کا
کھل گئے آخر فریب اس بولتی تصویر کے

کوئی بندہ عشق کا ہے کوئی بندہ عقل کا
پاؤں اپنے ہی نہ تھے قابل کسی زنجیر کے

شوقِ منزل میں زمیں پر پاؤں تک پڑتے نہیں
حوصلے پھر کیا بڑھیں گے خارِ دامنگیر کے

خاک میں مل جائیگی سب عزتِ مردانگی
ظلم کے ہاتھوں اگر جوہر کھلے شمشیر کے

یاسؔ سر سے پاؤں تک امیدہی امید تھے
فرد جبتک ہاتھ میں تھی کاتبِ تقدیر کے.

۱۰۷

جبتک خلشِ دردِ خداداد رہیگی
دُنیا دلِ ناشاد کی آباد رہیگی

دُنیا کی ہوا راس نہ آئے گی کسی کو
ہر سر میں ہوائے عدم آباد رہیگی

چونکائے گی رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا
ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہیگی

دل اور دھڑکتا ہے اد بگاہِ قفس میں
شاید یہ زباں تشنۂ فریاد رہیگی

شیطان کا شیطان فرشتہ کا فرشتہ
انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہیگی

جو خاک کا پتلا وہی صحرا کا بگولا
مٹنے پہ بھی اک ہستیٔ برباد رہیگی

ہر شام ہوئی صبح کو اک خواب فراموش
دنیا یہی دُنیا ہے تو کیا یاد رہیگی

شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہیگی

۱۰۸

دردِ سر تھا سجدۂ شام و سحر میرے لئے
دردِ دل ٹھہرا دوائے دردِ سر میرے لئے

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
زندگی پھر کیوں ہوئی ہے دردِ سر میرے لئے

کس محبت سے دلِ گم گشتہ دیتا ہے صدا
آ ادھر پھرتا ہے آوارہ کدھر میرے لئے

شکر سے تسکیں نہیں ہوتی شکایت ہی سہی
کچھ وظیفہ چاہئے شام و سحر میرے لئے

فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک
وا رہیگا کب تلک توبہ کا در میرے لئے

لے چلا ہوں وعدۂ فردا گرہ میں باندھکر
چاہئے ہے اور کیا زادِ سفر میرے لئے

حُسنِ نادیدہ کجا، اپنا ہی پردہ کھل گیا
آسماں ثابت ہوا حدِ نظر میرے لئے

بزمِ دنیا میں یگانہ ایسی بیگانہ روی
میں نے مانا عیب ہے لیکن ہنر میرے لئے

۱۰۹

زمانہ پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے — دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے
کہاں تک دلِ غمناک پردہ دار رہے — زبانِ حال پہ جب کچھ نہ اختیار رہے
نظامِ دہر نے کیا کیا نہ کروٹیں بدلیں — مگر ہم ایک ہی پہلو سے بیقرار رہے
ہنسی میں لغزشِ مستانہ آ گئی واللہ — تو بیگناہوں سے اچھے گناہگار رہے
ابھارتی ہے ہوس توبۂ ریائی کی — کہ دل کے ساتھ زباں کیوں گناہگار رہے
دکھادوں چیر کے دل اور دل کہوں کب تک — زباں پہ کیوں یہ تقاضائے ناگوار رہے
تڑپ تڑپ کے اٹھاؤں گا زندگی کو مزے — خدا نہ کردہ مجھے دل پہ اختیار رہے
سزائے عشق بقدرِ گناہ ناممکن — یہی بہت ہے کہ برہم مزاجِ یار رہے
زمانہ اس کے سوا اور کیا وفا کرتا — چمن اجڑ گیا کانٹے گلے کا ہار رہے
خزاں کے دم سے مٹا خوب و زشت کا جھگڑا — چلو یہ خوب ہوا گل رہے نہ خار رہے

یگانہ حال تو دیکھو زمانہ سازوں کا
ہوا میں جیسے بگولا خراب و خوار رہے

۱۱۰

خدا کے سامنے دامن پسارنے والے — وہ ہاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے
خدا کی دین ہے جنت ہو یا جہنم ہو — بھٹک بھی جاتے ہیں حج کو سدھارنے والے

بلا نہ ہو کوئی نازل سیاہ کاروں پر
بہت سنور چکے زلفیں سنوارنے والے

کہاں کا روزِ جزا، کل کے مرتے آج مریں
اُمید و بیم کو ٹھوکر پہ مارنے والے

تمہاری جیت تو جب تھی دلوں میں گھر کرتے
زباں سے ہار نہ مانیں گے ہارنے والے

لگی ہو جس کے، وہی چپ کی داد پاتا ہے
پکارتے رہے ناحق پکارنے والے

کشش دکھائیں تو معراج سے ہیں بالاتر
خدا کو شیشۂ دل میں اتارنے والے

نکالتے ہیں اُسی منہ سے حُسن میں سو عیب
ہوس نصیب، وہی منہ پسارنے والے

تمہارے دم سے سلامت ہیں وَلولے دل کے
تنزل کے بعد خطا پر ابھارنے والے

یگانہ کون؟ وہ بزمِ ادب سے بیگانہ
لڑائی چھیڑ کے پگڑی اتارنے والے

۱۱۱

انوکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے

بلندی کیا ہے، پستی کیا، ہوا کی کارفرمائی
سراسر موجِ دریا غرقِ ساحل ہوتی جاتی ہے

برائی میں بھلائی دیکھتا جاؤں مگر کب تک
یہ کیسی دولتِ عرفاں کہ نازل ہوتی جاتی ہے

نہ کترائے نہ بل کھائے تو پھر دھارا کدھر جائے
ارے یہ کیا کہ راہ راست مشکل ہوتی جاتی ہے

کہاں لے جائے گی یہ وسعتِ آفاق کیا جانے
مکان و لامکاں سد در منزل ہوتی جاتی ہے

محبت کا مزہ بگڑا کہ نیت بھر گئی اپنی
طبیعت جانے کیوں تلخی پہ مائل ہوتی جاتی ہے

گناہِ عشق اور اضطراری کے سوا کیا تھا
مگر توفیقِ رسوائی بھی شامل ہوتی جاتی ہے

مجھے دیکھو تو سمجھو حُسن کے معنیِ وجدانی
وہ معنی جس کو روشن خلوتِ دل ہوتی جاتی ہے

زہے شانِ خداوندی گنہگاروں پہ یہ رحمت
غضب ہے پارسائی اور مشکل ہوتی جاتی ہے

نظر پڑنے لگی میری بھی اپنے شبنشہ دل پر — جوانی اُن کی آئینے کے قابل ہوتی جاتی ہے

مرے دل میں لگا کر آگ آنکھیں سینکنے والے — تری چشم توجہ اور قاتل ہوتی جاتی ہے

چلو تم بھی سنو شور ولا بزم یگانہ نہیں — چھڑا ساز محبت گرم محفل ہوتی جاتی ہے

یگانہ لکھنؤ کی سیر کر آتے تو اچھا تھا!
طبیعت سان پر چڑھنے کے قابل ہوتی جاتی ہے

۱۱۲

کس کی آواز کان میں آئی-؟ — دور کی بات دھیان میں آئی

ایسی آزاد روح اس تن میں — کیوں پرائے مکان میں آئی

آپ آتے رہے بلاتے رہے — آنے والی اک آن میں آئی

ہائے کیا کیا نگاہ بھٹکی ہے — جب کبھی امتحان میں آئی

یہ کنارہ چلا کہ ناؤ چلی — کہئے کیا بات دھیان میں آئی

علم کیا علم کی حقیقت کیا — جیسی جس کے گمان میں آئی

کون جانے ندائے حق کیا ہے؟ — کس خدا کی زبان میں آئی

ایسی پائے خطا کہ اُف نہ کرے — ڈھیل جس کی زبان میں آئی

حُسن کیا خواب سے ہوا بیدار — جانِ ناز جہان میں آئی

آپ کی یہ اکڑ ارے توبہ! — کب کسی نوجوان میں آئی

جان لیوا ہے یہ چڑھی تیوری — یہ کشش کس کمان میں آئی

بات ادھوری مگر اثر دونا! — اچھی لکنت زبان میں آئی

آنکھ نیچی ہوئی ارے یہ کیا؟ کیوں غرض درمیان میں آئی

میں پیمبر نہیں یگانہ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

۱۱۳

مزاج آپکا دنیا سے کچھ کشیدہ سہی — فریب کھاؤ گے پھر بھی فریب دیدہ سہی
یہ سبز باغ کا عالم بہ رنگِ لیل و نہار — بہل ہی جائے گا دل آپ کا رمیدہ سہی
یہ غنچہ کیا کہ دیکھے سے دل دھڑکتا ہے — ارے یہ ایک ہی فتنہ ہے نو دمیدہ سہی
نگاہِ شوق کی گرمی خدا کی قدرت ہے — مزے پہ آہی گیا حُسن، نارسیدہ سہی
کھٹکتی رہتی ہے دل میں نگاہِ دُزدیدہ — خطائے حُسن کہے کون، چشمِ دیدہ سہی
نگاہِ حُسن سے ابتک وفا ٹپکتی ہے — ستم رسیدہ سہی پیرہن دریدہ سہی
فریبِ ابرِ کرم بھی بڑا سہارا ہے — بلا سے نخلِ تمنا خزاں رسیدہ سہی
خدا کی بات خدا جانے کوئی کیا جانے — پڑھا ہے میں نے بھی قرآن مجید، چیدہ سہی
پتے کی کہئے تو ظالم کا رنگ اڑتا ہے — زبانِ حال سے اک حرفِ ناشنیدہ سہی
ہوا جو بگڑی تو ٹھنڈا ہی کر کے چھوڑے گی — ہزار شعلۂ بیباک سرکشیدہ سہی
قریب ہوں مگر اتنا کہ جیسے کوسوں دور — مجھے نہ دیکھ سکو گے زمانہ دیدہ سہی
مری نظر کی خطا ہوگی یا گلوں کی خطا — تمہارے راج میں کانٹے ہی برگزیدہ سہی
نکل ہی جاتا ہے مطلب تری قسم کھا کر — تو بندگانِ ضرورت کا آفریدہ سہی

یگانہ ٹھن گئی بیڈھب تو سوچتے کیا ہو
شریکِ کار نہیں تو نہیں جریدہ سہی

۱۱۴

کارگاہ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے — اک طرف اُجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

بیدلوں کی ہستی کیا، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں — خواب ہے نہ بیداری ہوش ہے نہ مستی ہے

کیا بتاؤں کیا ہوں میں، قدرتِ خدا ہوں میں — میری خود پرستی بھی عینِ حق پرستی ہے

کیمیائے دل کیا ہے؟ خاک ہے مگر کیسی؟ — لیجئے تو مہنگی ہے بیچئے تو سستی ہے

خضرِ منزل اپنا ہوں اپنی راہ چلتا ہوں — میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

کیا کہوں سفر اپنا ختم کیوں نہیں ہوتا — فکر کی بلندی یا حوصلہ کی پستی ہے

حسنِ بے تماشا کی دھوم کیا معمہ ہے — کان بھی ہیں نامحرم آنکھ بھی ترستی ہے

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا — چال سے تو کافر پہ سادگی برستی ہے

ترکِ لذتِ دنیا کیجئے تو کس دل سے — ذوقِ پارسائی کیا فیضِ تنگدستی ہے

دیدنی ہے یاسؔ اپنے رنج و غم کی طغیانی
جھوم جھوم کر کیا کیا یہ گھٹا برستی ہے

۱۱۵

بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے — پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے

دکھ درد تو ہی سمجھے نہ سمجھے — گونگا تو گونگا کس کو پکارے

بندوں سے اپنے اتنا تغافل — چوکھٹ پہ کوئی سر دے نہ مارے

قربان تیری اٹکھیلیوں کے — خود سر چڑھائے خود مار اُتارے

اُف ری مشیت بھولے تو لاکھوں — پھلتے نہ دیکھے سارے کے سارے

کرنی کسی کی بھرنی کسی کی — بے موت مرنا غیرت کے مارے

فتنہ بھی پامال اپنا بھی یہ حال — کروٹ بدلئے کس کے سہارے

اتنا بھی سیدھا سادہ چلن کیا ایسے کو کوئی کیونکر ابھارے
مکرا کے دیکھیں تم کیا ہو ہم کیا؟ جیتے تو جیتے ہارے تو ہارے
لیلیٰ ہے لیلیٰ اندھا ہے اندھا مشاطہ چاہے جتنا سنوارے

حُسنِ یگانہ اللہ اللہ
یہ بھیس بدلے یہ روپ دھارے

۱۱۶

ارے واہ صلح ہوئی تو کیا وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خو رہی وہی بُو رہی وہی فطرتِ بشری رہی
وہی بندگی وہی صاحبی وہی راج اور وہی راج ہٹ
نہ جوابِ تلخ کا حوصلہ نہ مجالِ فتنہ گری رہی
وہی نیستی وہی شامتیں تو کہاں کی عید کہاں کی دید
شبِ غم کی صبح ہوئی تو کیا وہی غفلتِ سحری رہی
کوئی رازِ درد چھپائے کیا کہ یہ دردِ دل ہے بری بلا
دمِ واپسیں بھی زبان کو وہی فکرِ پردہ دری رہی
نگہ کرم کا سوال کیا ہے عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق دھری رہی سو دھری رہی
نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر اسے عیب جانئے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر جو بطر پہ چڑھ کے کھری رہی

یہ بلائے حسن کہاں نہیں مگر اپنے واسطے قحطِ حسن
تمھیں کیا بتاہیں نظر کے ساتھ جو زحمت نظری رہی

کوئی چشمِ شوق کے سامنے ہو تو سوجھتی ہے نئی نئی
ترے دم قدم کی بہار تھی کہ طبیعت اپنی ہری رہی

کوئی میری آنکھ سے دیکھتا وہ زوالِ دولتِ رنگ و بو
کہ بہارِ حسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی

کوئی آرزو بھی چھپی ہوئی کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب میں جبھی تو اک خلشِ شکستہ پری رہی

وہ گناہ گار ہمیں تو ہیں کہ جمالِ پاک کے سامنے
نظر اُٹھتے اُٹھتے جھپک گئی ہوسِ گناہ دھری رہی

عجب اتفاق بھڑک اٹھی وہ فتنے ہیں دوست کی دشمنی
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بےخبری رہی

یہ وہ دل ہی جسمیں سوائے حق کسی دوسرے کا گزر نہیں
وہی ایک ذاتِ یگانہ بس وہی ایک جلوہ گری

۱۱۷

سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے

گلے پر چھری کیوں نہیں پھیر دیتے
اسیروں کو بے بال و پر کرنے والے

اندھیرے کے اُجالے کہیں تو ملیں گے
وطن سے ہمیں در بدر کرنے والے

چھپے دامنِ ابرِ رحمت میں آخر
سیہ کاریوں میں بسر کرنے والے

گریباں میں منھ ڈال کر خود تو دیکھیں
برائی پہ میری نظر کرنے والے

طلسمِ حوادث کی تہ کو نہ پہونچے
زمانہ پہ گہری نظر کرنے والے

اس آئینہ خانے میں کیا سر اٹھاتے
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے

کھڑے ہیں دوراہے پہ دیر و حرم کی
تری جستجو میں سفر کرنے والے

سرِ شام گل ہو گئی شمعِ بالیں —
سلامت ہیں اب تک سحر کرنیوالے

کُجا صحنِ عالم، کُجا کنجِ مرقد
بسر کر رہے ہیں بسر کرنے والے

یگانہ وہی فاتحِ لکھنؤ ہیں
دلِ سنگ و آہن میں گھر کرنیوالے

۱۱۸

آہِ بیمار کارگر نہ ہوئی
چرخ کانپا مگر سحر نہ ہوئی

صُبحِ محشر ہوئی شبِ تاریک
صورتِ یار جلوہ گر نہ ہوئی

شبِ اُمید کٹ گئی لیکن
زندگی اپنی مختصر نہ ہوئی

دور سے آج اُن کو دیکھ لیا
دل کو تسکیں ہوئی مگر نہ ہوئی

آنکھوں آنکھوں میں لے لیا وعدہ
کانوں کان ایک کو خبر نہ ہوئی

اُف ری چشمِ عتاب اُف ری جلال — برقِ سوزاں ہوئی نظر نہ ہوئی
فکرِ انجام و حسرتِ آغاز — دو گھڑی چین سے بسر نہ ہوئی
کھلنے والا نہیں درِ توبہ — فکرِ انجام وقت پر نہ ہوئی
ایسا رونا بھی کوئی رونا ہے — آستیں آنسوؤں سے تر نہ ہوئی
ہٹ کے بالیں سے لوگ روتے ہیں — جیسے بیمار کو خبر نہ ہوئی

نیمجاں چھوڑ کر چلا قاتل
نگہِ یاسؔ کارگر نہ ہوئی

۱۱۹

سنگدل بھی یاد کرتے ہیں تہِ دل سے مجھے — فتحِ حق کی داد ملجاتی ہے باطل سے مجھے
ہمتِ عالی سلامت ہے تو اندیشہ ہو کیا — پائے درِ زنجیر سے یا پاؤں درِ گل سے مجھے
ناخدا اپنی سی کر گذرا مگر مجبور تھا — کھینچ لایا بھر ڈر مقصود ساحل سے مجھے
خواب سے اندیشۂ فردا نے چونکایا تو کیا — غفلتِ امروز فرصت دیگی مشکل سے مجھے
دُور سے ہنستے ہیں ظالم پا شکستہ جانکر — خیر مقدم کی صدا دیتے ہیں منزل سے مجھے
مانگنے دینا نہیں پانی دلِ ایذا طلب — خون بہا کیا مانگنے دیگا یہ قاتل سے مجھے
دردِ سر کی جستجو تھی دردِ دل حاصل ہوا — واہ کیا دولت ملی اس فکرِ باطل سے مجھے
جلوۂ بیرنگ تھا پردہ کے اندر کچھ نہ تھا — حق بجانب تھا جو اندیشہ تھا محمل سے مجھے

دیدۂ دل بے نیازِ جلوۂ اُمید ہے
یاسؔ کیا دلبستگی اس نقشِ باطل سے مجھے

۱۲۰

ناخدائے کم ہمت ہاتھ پاؤں مار آیا　　تہ کی کیا خبر لاتا حوصلہ بھی ہار آیا

پار اُتارنا کیسا بارِ سر اتار آیا

کشتیٔ حیات اپنی جا رہی تھی دھاری پر　　سنگدل تماشائی ہنستے تھے کناری پر

دل وہی شکستہ دل پھر بروئے کار آیا

خانۂ خدا معلوم، شیخ و برہمن چھوٹے　　اس طلسمِ حیرت سے کب اسیرِ غم چھوٹے

پائے مضطرب ٹوٹے جب کہیں قرار آیا

شام سے بھڑک اُٹھی اور بھی لگی دل کی　　پاسِ امیدِ فردا نے واہ کیا تسلی دی

مضطرب نگاہوں کو حکمِ انتظار آیا

۱۲۱

امید و بیم میں کٹے تو کیا مزہ شباب کا
ہو لئے وہ ہر دیتی ہے پیام انقلاب کا
الٹ نہ جائے ناگہاں ورق مری کتاب کا

کسی کی کیا مجال ہے جو چرخ پیر سے لڑے
اُمنڈ رہا ہے ابرِ غم نہ جانے کب برس پڑے
دُ اندھا ہوا ہے چار سمت بادل انقلاب کا

نہ مبتدا کی کچھ خبر نہ کچھ خبر کا مبتدا
دلِ شکستہ گم ہوا تو پھر کہاں کا سلسلہ؟
یہی ورق نکل گیا تو مول کیا کتاب کا؟

نگاہِ تشنہ کام میں حرام بھی حلال ہے
نہ کوئی امر ممتنع نہ کوئی شے محال ہے
فریب مجھ سے پوچھئے کرشمۂ سراب کا

پکارنے سے کام ہے پکارتا ہوں بار بار
دیارِ حسن میں ہو یاس کیوں کوئی امیدوار
جوابِ باصواب یا جوابِ بے صواب کا

رُباعیات

ساجن کو سکھی منا لو پھر سو لینا
سوتی قسمت جگا لو پھر سو لینا
سوتا سنسار، سننے والا بیدار
اپنی بیتی سنا لو پھر سو لینا

۲

دل کو حد سے سِوا دھڑکنے نہ دیا
قالب میں رُوح کو پھڑکنے نہ دیا
کیا آگ تھی سینے میں جسے فطرت نے
روشن تو کیا مگر بھڑکنے نہ دیا

۳

دل کیا ہے اک آگ ہے دہکنے کیلئے
دُنیا کی ہوا کھا کے بھڑکنے کیلئے
یا غنچۂ سر بستہ چٹکنے کیلئے
یا خار ہے پہلو میں کھٹکنے کیلئے

۴

جب عالمِ ایجاد نے صورت پکڑی
مجموعہ اضداد نے صورت پکڑی
آباد ہوئی دل میں انوکھی دُنیا
کیا دردِ خداداد نے صورت پکڑی

۵

واللہ یہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
اِک طُرفہ طلسم، دید جس کی نہ شنید
منزل کی دُھن میں جھومتا جاتا ہوں
پیچھے تو اجل ہے آگے آگے اُمید

۶

منزل کا پتا ہے نہ ٹھکانا معلوم
جبتک نہ ہو گم، راہ پہ آنا معلوم
کھو دیتا ہے انسان تو کچھ پاتا ہے!
کھویا ہی نہیں تو نے تو پانا معلوم

۷

منزل کی خبر کسے ہے منزل کی نہ پوچھ
منجدھار میں بہتا چل ساحل کی نہ پوچھ
کیا جانئے کس گھاٹ لئے جاتا ہے
آنکھیں جو دکھائیں دیکھ، دل کی نہ پوچھ

۸

ہر گام پہ استخارہ کرتے نہ بنی
تھی دل سے لگی کنارہ کرتے نہ بنی
دیوانہ بتائے کیا کدھر جاتا ہے
منزل کی طرف اشارہ کرتے نہ بنی

۹

زنجیر سے رہا ہونے کا نہیں دل بھاری
ہوں پاؤں میں کتنی ہی سلاسل بھاری
کعبہ کا سفر ہی کیا ہے گھر سے در تک
دل سے دل تک مگر ہے منزل بھاری

۱۰

مر مر کے مسافر سرِ منزل پہونچا
پہونچا تو سہی مگر بہ مشکل پہونچا
دیکھے کوئی اس دردِ طلب کی پرواز
دل ایک تڑپ میں تا درِ دل پہونچا

۱۱

دل کے ہاتھوں خراب رہتے ہی بنی
افتاد پڑی جیسی سہتے ہی بنی
ہم تیری تلاش میں کہیں کے نہ رہے
کعبہ کو بھی خیر باد کہتے ہی بنی

۱۲

ہے اور بھی ایک راہ مذہب کے سوا
منطق کے سوا، علمِ تذبذب کے سوا
باز آ گئے منزل سے کہاں کی منزل
مطلب نہیں کوئی ترکِ مطلب کے سوا

۱۳

تعظیم تری کرتے ہیں سب آنکھوں سے
پیدا ہے نشۂ ادب آنکھوں سے
سجدہ نہ کریں، کسی کی پوجا نہ کریں
ثابت ہی مگر درد طلب آنکھوں سے

۱۴

مطلوب ہے خواجہ کوئی احسان تازہ

اس وردِ طلب کا کوئی درمان تازہ

کلمہ سے غرض ہے نہ بھجن سے مطلب

اک نعرہ ہو سے کر دے ایمان تازہ

۱۵

پھر کوئی نئی لگن لگی ہے شاید

ہاں ہاں نئہ پیرہن لگی ہے شاید

دل پریم کے ساگر میں بیتاب ہے کیوں

تازہ کوئی ڈگن لگی ہے شاید

۱۶

دکھتا ہوا دل ٹٹول لینے والا

آنکھوں آنکھوں میں تول لینے والا

دل کی آواز گوشِ دل سے سُن کر

کیا ہے کوئی درد مول لینے والا؟

۱۷

درد اپنا کچھ اور ہے دوا ہے کچھ اور

ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا ہے کچھ اور

ایسے ویسے خُدا تو بہتیرے ہیں

میں بندہ ہوں جسکا وہ خدا ہے کچھ اور

۱۸

یوسف کو اس انجمن میں کیا ڈھونڈھتا ہے

ہنگامۂ ما و من میں کیا ڈھونڈھتا ہے

نیرنگِ تماشا ہے حبابِ معنیٰ؛

تصویر کے پیرہن میں کیا ڈھونڈھتا ہے؟

۱۹

فطرت کچھ اور ہے خدا ہے کچھ اور

بالغ نظروں کا منتہا ہے کچھ اور

جسکے دم سے ہر دل کی دُنیا روشن

اس جاگتی جوت کے سوا ہی کچھ اور

۲۰

تازہ مژدہ کوئی سنانا ہے تو آ

اُجڑے گھر کو مرے بسانا ہے تو آ

پھر بند نہ ہو جائے کہیں دل کا کنواڑ

ایسے میں سویرا ہے آنا ہے تو آ

۲۱

بدلے گی ہزار رنگ دُنیا تو ہٹی

بہلاتے ہیں دل ہم بھی تماشا تو ہٹی

پردہ ہر دم یوں ہی بدلتا جائے

دھوکا ہے تو ہونے دو دھوکا تو ہٹی

۲۲

کیوں مطلب ہستی و عدم کھل جاتا
کیوں رازِ طلسم کیف و کم کھل جاتا
کانوں نے جو سُن لیا وہی کیا کم ہے
آنکھیں کھلتیں تو سب بھرم کھل جاتا

۲۳

صبحِ ازل و شامِ ابد کچھ بھی نہیں
اک وُسعتِ موہوم ہی حد کچھ بھی نہیں
کیا جانئے کیا ہے عالمِ کون و فساد
دعوے تو بہت کچھ ہیں سند کچھ بھی نہیں

۲۴

صیادِ ازل کی شعبدہ کاری ہے

آزادی کیا، عین گرفتاری ہے

اسرارِ طلسمِ زندگی کیا کہیے

یہ رات کٹی تو کل کا دن بھاری ہے

۲۵

حیراں ہو کیوں، رازِ بقا مجھ سے پوچھ

میں زندۂ جاوید ہوں آ مجھ سے پوچھ

مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے

جینا ہے تو موت کی دوا مجھ سے پوچھ

۲۶

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع تری حیات فانی کیا ہے
جھونکا کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا

۲۷

ہر موج ہوا ہے درپئے دل شکنی
ہر سانس پہ کرتی ہے فضا خندہ زنی
کھاتا کیننگ حُبِّ دنیا کی ہوا
وہ ٹھیس لگی کہ دل تو کیا دم پہ بنی

۲۸

دل ہو زندہ تو بارِ خاطر کیوں ہو
درد و غم ناگوارِ خاطر کیوں ہو
باقی ہو دماغ میں اگر بوئے امید
پیراہنِ جاں غبارِ خاطر کیوں ہو

۲۹

دل ہو مُردہ تو زندگانی بھی حرام
پیری کا ذکر کیا جوانی بھی حرام
افسانۂ عُمر جاودانی بھی حرام
آبِ حیواں کہاں کا؟ پانی بھی حرام

۳۰

واللہ یہ دنیا بھی عجب دنیا ہے
ہر رنگ میں وہ کشش کہ دل کھنچتا ہے
منھ بولتی جیتی جاگتی تصویریں
اعجازِ ہنر ہے یا کوئی دھوکا ہے؟

۳۱

دُنیا کے مزے ہیں کس قیامت کے مزے
صحرا کی گھنی چھاؤں میں جنت کے مزے
کچھ دیر تو بیٹھتے چلو سایہ میں
کیا یاد کروگے دشتِ غربت کے مزے

۳۲

دُنیا کی ہوا کیا ہے پیامِ غفلت
یہ عالمِ رنگ و بو مقامِ غفلت
بیداریٔ موہوم ہے آئینِ حیات
بدلا ہے نہ بدلے گا نظامِ غفلت

۳۳

تھمنے کا نہیں قافلۂ موجِ سراب
کٹنے کا نہیں مرحلۂ موجِ سراب
آغاز ہی آغاز ہے انجام کُجا
عالم ہے عجب سلسلۂ موجِ سراب

۳۴

مطلب نہیں کوئی ترکِ منزل کے سوا
مقصد نہیں کوئی ترکِ باطل کے سوا
کعبہ کا ہوا میں نہ صنمخانے کا
سر جھک نہ سکا کہیں درِ دل کے سوا

۳۵

سنتا ہوں کہ ہر رنگ میں ہے تو موجود
ہر لو میں ہے معرفت کا پہلو موجود
وہ رنگ بھی کیا رنگ ہے ماشاء اللہ
جسمیں کوئی خوشبو ہے نہ بدبو موجود

۳۶

ہاں اے دلِ ایذا طلب آرام نہ لے
بدنام نہ ہو مُفت کا الزام نہ لے
ہاتھ آ نہ سکے پھول تو کانٹے ہی سہی
ناکام پلٹنے کا کبھی نام نہ لے

۳۷

پروانے کہاں مرنے پچھڑتے پہونچے
دیوانہ صفت ہوا سے لڑتے پہونچے
پیاس آگ سے ہیں کود کر بجھانے والے
دھن کے پکے تھے گرتے پڑتے پہونچے

۳۸

وہ دل جسے کہتے ہیں دیارِ امیّد
آئینۂ صد نقش و نگارِ اُمیّد
شاید تری جلوہ گاہ عالی ہو وہی!
جس گھر میں ہو جلوہ گر بہارِ اُمیّد

۳۹

دل میں آ بیٹھ دردِ پہلو ہو کر
پھر اپنے تئیں دکھادوں میں تو ہو کر
آئینے میں کیا دیکھتا ہے رنگ اپنا
مجھ میں تو سما کر دیکھ ذرا بُو ہو کر

۴۰

ہنگامۂ عیش جان جو کم ہی سہی
آخر میں بلا سے تلخیٔ غم ہی سہی
عید اپنی منا لیتے محرّم ہی سہی
مل جاتے کہیں آپ جہنّم ہی سہی

۴۱

مخمورِ مَے شباب ہو لینا تھا
کم سے کم ایک شب نیند سو لینا تھا
دامانِ ہوس کہیں بھگو لینا تھا
بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا تھا

۴۲

رونا ہے بدا جنھیں وہ جھم جھم روئیں
جب عیش مہیّا ہو تو ہم کیوں کھوئیں
فردا معلوم و رازِ فردا معلوم
رات اپنی ہے پھر کیوں نہ مزے سے سوئیں

۴۳

پیری کی ہوس ہزار منتر پڑھتی
گھٹنے کے سوا عُمرِ رواں کیا بڑھتی
جھونکے میں فنا کے کیا پنپتا کوئی
مُرجھائی ہوئی بیل منڈھے کیا چڑھتی

۴۴

یارانِ چمن آگ برسنے کی ہے دیر
رُوؤ گے بہت برق کے ہنسنے کی ہے دیر
پھولوں سے لدی ہوئی دلہن کیا جانے
ان تازہ گلوں پہ رات بسنے کی ہے دیر

۴۵

دیکھے ہیں بہت چمن اُجڑتے بستے
کیا کیا گُلِ پیرہن لُٹے ہیں سستے
اے زندہ دلانِ باغ اِتنا نہ ہنسو
آنسو بھی نکل آتے ہیں ہنستے ہنستے

۴۶

سورج کو گہن میں نہیں دیکھا شاید
ہاں چاند کو گھن میں نہیں دیکھا شاید
اے حُسنِ دو روزہ پہ اکڑنے والو
یُوسف کو کفن میں نہیں دیکھا شاید

۴۷

یارانِ شباب رات کٹنے کی ہے دیر
بجھتا ہی کنول ہوا پلٹنے کی ہے دیر
محفل میں جھومتے رہو گے کب تک
آنکھیں کھلنے کی، دل اچٹنے کی ہی دیر

۴۸

دُنیا کے مزے میں ڈوب کر کیا ترتے
آنکھیں رکھتے تو کیوں گڑھے میں گرتے
لو دیکھ لو اب عیش پرستوں کی دسا
مُردے دیکھے نہ ہوں گے چلتے پھرتے

۴۹

دُنیا اے دَنی مجھ سے عداوت رکھے
جھوٹی سچّی ہزار تہمت رکھے
تیرے دم سے ہے اپنی دنیا آباد
اے دَرد، خُدا تجھے سلامت رکھے

۵۰

منہ تکتے ہیں دور سے سبب کچھ نہ سہی
اک حسنِ طلب تو ہے طلب کچھ نہ سہی
بندہ کہو خادم کہو جو کچھ بھی کہو
آگے تھے ہمیں سب کچھ اب کچھ نہ سہی

۵۱

پھر جوشِ غضب کو تھام لیتے ہی بنی
پھر چشمِ کرم سے کام لیتے ہی بنی
منہ سے تو نہ پھوٹے آپ ماشاءاللہ
آنکھوں سے مگر سلام لیتے ہی بنی

۵۲

پیراہنِ تن ہے گو غبار آلودہ

ہے دامنِ دل مگر بہار آلودہ

کچھ نشۂ رنگ و بُو ہے اب تک باقی

شاہد ہے مری چشم خمار آلودہ

۵۳

دم زندہ دلی کا آج تک بھرتے ہیں

کیوں زندگیٔ گزشتہ پہ مرتے ہیں

افسردہ دلوں کو کیا گناہوں کا مزہ

دل بہلاتے ہیں غم غلط کرتے ہیں

۵۴

اے ہمتِ مردانہ دکھا دے وہ کمال
کہتے ہیں جسے جہادِ نفس اہلِ کمال
بہتر ہے دیو کو پکڑ لے زندہ
قابو میں کرے نفس کو مار نہ ڈال

۵۵

وہ جوش وہ اضطراب منزل میں کہاں
وہ شوقِ طلب تھکے ہوئے دل میں کہاں
شاعر کی تہ کو فلسفی کیا پہونچے
منجھدھار کا زور شور ساحل میں کہاں

۵۶

دُنیائے دَنی کا آسرا لینا کیا
باطل کے آگے سر جھکا لینا کیا
ناحق احسانِ ناخُدا لینا کیا
بندہ کے تئیں خُدا بنا لینا کیا

۵۷

مُردوں کو یہ دنیائے دَنی کیا پھلتی؟
سر پھوڑ چلے، کوہکنی کیا چلتی؟
معلوم ہے فرہاد پہ جو کچھ گزری
ٹل جائے قیامت، شُدنی کیا ٹلتی؟

۵۸

جس باگ پہ چاہے موڑتی ہے دنیا
کستی ہے کبھی جھنجھوڑتی ہے دنیا
پلٹے ہے ہمّت کو توڑتی ہے دنیا
نامرد بنا کے چھوڑتی ہے دنیا

۵۹

مفلس کو مزہ زیست کا چکھنے نہ دیا
اس نقدِ شباب کو پرکھنے نہ دیا
دُنیا سے پلٹتے تو پلٹتے کیونکر
پُٹھّے پہ کبھی ہاتھ تو رکھنے نہ دیا

۶۰

شاہوں کو نگاہوں سے گرا کر مارا

شہزادوں کو دربدر پھرا کر مارا

دُنیا سے سپٹنے والے بے موت مرے

ایک ایک کو گیا دھر ادھر اکر مارا

۶۱

مردوں کو کشاں کشاں لئے پھرتی ہے

پھرتے ہیں جہاں جہاں لئے پھرتی ہے

منھ موڑ کے لکھنؤ سے پہونچے ہیں دکن

تقدیر کہاں کہاں لئے پھرتی ہے

۶۲

وہ گھر وہ در وہ آستانہ بھولا
وہ گل وہ چمن وہ آشیانہ بھولا
وہ لحن وہ نغمہ وہ ترانہ بھولا
وہ دَور وہ عہد وہ زمانہ بھولا

۶۳

اے لکھنؤ اے دیارِ دور افتادہ
اے جانِ من اے بہارِ دور افتادہ
اب دور سے اس خاک کو سجدہ کرلے
میں کون ہوں اِک مزارِ دُور اُفتادہ

۶۴

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے
کوئی ہمّت ہی ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے
دریا ہے کہ موجیں مارتا جاتا ہے

۶۵

دھارا ہے زمانے کا رواں بے سر و پا
پھرتے ہیں زمین و آسماں بے سر و پا
کیا جانئے کس منزلِ موہوم کی دُھن
کھینچے لئے جاتی ہے کہاں بے سر و پا

۶۶

ہوں صید کبھی اور کبھی صیّاد ہوں میں
کچھ بھی نہیں بازیچۂ اضداد ہوں میں
مختار مگر اپنی حدوں میں محدود
ہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد ہوں میں

۶۷

مشکل کوئی مشکل نہیں جینے کے سوا
خاموش لہو کا گھونٹ پینے کے سوا
کُھلتے ہیں کبھی جوہرِ تسلیم و رضا
جب کوئی سپر ہی نہ ہو سینہ کے سوا

۶۸

بیدرد، دوا مانگنے والا تو کون۔۔؟
کیوں میرے سوا مانگنے والا تو کون۔۔؟
ہنستا ہوں خود اپنے حال پر، میرے لئے
رو رو، کے دُعا مانگنے والا تو کون؟

۶۹

ہم ایسوں کا درد رکھنے والا تو کون
یہ لذتِ تلخ چکھنے والا تو کون
کیا دل کو ٹٹولتا ہے اندھوں کی طرح
ٹوٹا ہی سہی، پر رکھنے والا تو کون

۷۰

دیوانہ کار، التجا کیا جانے
خود اپنے ارادوں کے سوا کیا جانے
تقدیر کے چکّر میں جو آیا ہی نہ ہو
وہ بندۂ تدبیر دعا کیا جانے

۷۱

کیا مفت کا بہتان خدا پر باندھا
کیا گردشِ تقدیر کا چرخہ ناندھا
فطرت کیا ساتھ دیتی نامردوں کا
جیتے مُردے کو کون دیتا کاندھا؟

۷۲

مردوں کا اصول جان لینے کی ہے دیر
دشوار کو سہل مان لینے کی ہے دیر
منجدھار تو کیا ہے آگ میں کود پڑیں
کچھ بھی نہیں، دل میں ٹھان لینے کی ہے دیر

۷۳

موجوں سے لپٹ کے پار اترنے والے
طوفانِ بلا سے نہیں ڈرنے والے
کچھ بس نہ چلا تو جان پر کھیل گئے
کیا چال چلے ہیں ڈوب مرنے والے

۷۴

امکانِ طلب سے کوئی آگاہ تو ہو
منزل کا تہِ دل سے ہوا خواہ تو ہو
چل بھی پڑ کے ذرا دیکھ، جھجکتا کیا ہے
مل جائے گی راہِ راست، گمراہ تو ہو

۷۵

ہو گی کسی رہ نما کو منزل کی خبر
پوچھے کوئی ناخدا سے ساحل کی خبر
ہم اور کی نظر کے دیکھنے والے ہیں
وہ کون؟ جو رکھتا ہے نہ دل کی خبر

۷۶

کعبے سے ہے آج اپنا سفر اور طرف
میں اور طرف ہوں راہبر اور طرف
کیسے حرم و دَیر؟ اِدھر ہوں نہ اُودھر
دل اور طرف کو ہے نظر اور طرف

۷۷

گھر چھوڑ کے جو در بدر رہا کچھ نہ ہوا
بیکار کا دردِ سر ہوا کچھ نہ ہوا
فانوس کے باہر نہ لگی شمع کی لَو
جب دھیان اِدھر اُودھر ہوا کچھ نہ ہوا

۷۸

دیوانہ کیوں تری نظر پہ نہ چڑھے
پروانہ وہ کیا جو شمع کے سر نہ چڑھے
کس کام کا وہ خار جو دل میں نہ گڑے
وہ پھول ہی کیا ہے جو تہہ سر نہ چڑھے

۷۹

دیوانہ ہے پروانے کا مذہب کیا ہے
مطلب سے ہے مطلب اور مطلب کیا ہے
دی جل کے صدا شمع کو ہنگام سحر
مطلب تھا جبھی تک آپ سے اب کیا ہے

۸۰

آرام سے سوتا ہے کوئی کمّل میں
منگل کوئی گاتا ہے پڑا جنگل میں
میں ماہئ بے آب مجھے چین کہاں
اک موجِ پریشاں ہوں عجب ہلچل میں

۸۱

منزل ہی نہیں کوئی ٹھہرنے کیلئے
عالم عالم ہے سیر کرنے کیلئے
ہر پست و بلند ہے گزرنے کیلئے
یہ پاؤں ہیں کیا زمیں پہ دھرنے کیلئے

۸۲

دیکھوں کب تک گلوں کی یہ تشنہ لبی؟

فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی

پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابر کرم

دریا پہ برستا ہے زہے بوالعجبی!

۸۳

گرداب بلا میں سب ہیں گھرنے کیلئے

آخر کو ہیں دن سب کے پھرنے کیلئے

کیا کہئے مگر سنگدلوں کا انجام

پتھر کہیں ڈوبتا ہے ترنے کیلئے

۸۴

کشتی آخر اجل سے لڑتے ہی بنی

لڑنے کو لڑے مگر بچھڑتے ہی بنی

کاغذ کی ناؤ میں جہاں آگ لگی

گھبرا کے بھنور میں کود پڑتے ہی بنی

۸۵

آپ اپنی بلاؤں میں کیوں گھرتا ہے

خشکی میں ڈوب کر کوئی ترتا ہے

کیا باد کے گھوڑے پہ اڑا پھرتا ہے

جھونکا کھاتے ہی منھ کے بل گرتا ہے

۸۶

پُتلا مٹی کا خاک ہو گا کہ نہیں
پیراہنِ عُمر چاک ہو گا کہ نہیں
آلودۂ رنگ و بوئے مستانہ سہی!
دل خاک میں مل کے پاک ہو گا کہ نہیں

۸۷

سر دُھنتے تھے اسرار و معانی سُن کر
پروانہ و شمع کی کہانی سُن کر
چاہو تجھے یگانہ کون سے عالم میں
چُپ لگ گئی کیوں دل کی سُنانی سُن کر

۴۸

پھولوں کو ہوا کھا کے مہکتے ہی بنی
بلبل کو مہک پا کے چہکتے ہی بنی
سبزہ پہ چڑھا رہا رنگ لہکتے ہی بنی
دل میں تھی دبی آگ دہکتے ہی بنی

۴۹

ہم پلہ تھے دو گل کوئی چھوٹا نہ بڑا
کانٹوں میں تلا کوئی نگاہوں میں ترا
کھلتا نہیں کیا جانیں کیا پھیر پڑا
پروان چڑھا کوئی گھورے پہ سڑا

۹۰

دل زندہ ہے، درد مقتنم ہے جبتک
آباد ہے گھر ہجومِ غم ہے جبتک
بچھڑے ہیں تو کیا آپ سے اک لاگ تو ہے
دم بھرتے رہیں گے دم میں دم ہے جبتک

۹۱

کچھ دردِ نہاں کی مہربانی ہو جائے
پیدا دل میں ذرا روانی ہو جائے
پھر چشمِ ندامت کا دکھادوں اعجاز
پتھر بھی خدا چاہے تو پانی ہو جائے

۹۲

وہ دل جسے لاگ ہو کسی سے نہ لگاؤ
اک خاک کا ڈھیر ہے جہاں چونپٹ چاؤ
ٹھنڈی مٹی کا اک انوکھا پتلا
پہلو میں ہمیں کو دیکھ لو دور نہ جاؤ

۹۳

آنکھیں ہیں تو انکار حقیقت مشکل
دل میں ہے مزہ تو ترک لذت مشکل
دیوانۂ عشق کیا کرے گا توبہ
توبہ آسان مگر ندامت مشکل

۹۴

پیاری دنیا کے چاؤ دیکھے ہیں بہت

ٹیڑھے سیدھے سبھاؤ دیکھے ہیں بہت

کیا پیر فلک تاؤ دکھاتا ہے مجھے

ان آنکھوں نے تاؤ بھاؤ دیکھے ہیں بہت

۹۵

کرنا جو کچھ تھا کر چکے اپنے حساب

بھرنا جو کچھ تھا بھر چکے اپنے حساب

اب دل ہی نہیں تو موت کا ڈر کیسا

مرنا بر حق ہے مر چکے اپنے حساب

۹۶

کیوں کھول دیئے رازِ ازل کو ناحق
پنجے میں پھنسے آپ اجل کو ناحق
ہاں کیوں نہ اُٹھے شورِ اناالحق پہ فساد
بڑ مار اُٹھے پیٹ کے ہلکے ناحق

۹۷

آئینہ حق ہوں خود پسندی کیسی ؟
دیوانہ ہوں اپنا ہوشمندی کیسی ؟
عالم میں جدھر دیکھیئے میں ہی میں ہوں
پستی کسے کہتے ہیں بلندی کیسی؟

۹۸

دل تھا غنچہ مگر بکسنے کے لئے
ہنستوں کو دیکھکر ترسنے کے لئے
کھلنے کی ہوس ہیں اور چہرہ بگڑا
منھ چاہئے کھل کھلا کے ہنسنے کے لئے

۹۹

گذری ہے بہارِ عمر تنکے چنتے
آتش کدۂ شوق میں جلتے بھُنتے
یارانِ چمن گاتے ہیں اپنی اپنی
میری سنتے تو دیر تک سر دھنتے

۱۰۰

اللہ ری تصور کی یہ رنگیں نظری
غربت میں بھی دل جلوں کی کھیتی ہے ہری
کروٹ کروٹ ہے لہلہاتی جنت
جب تک ہے ہوائے لکھنؤ سر میں بھری

۱۰۱

ہر رنگ کو کہتا ہے فریب نظری
ہر بو کو ہوائے منزلِ بے خبری
ہر حسن کو فلسفی کی آنکھوں سے نہ دیکھ
دشمن کو مبارک ہو یہ بالغ نظری

۱۰۲

سنسار میں چار وانگ اندھیاری ہے
کیا جانئے خواب ہے کہ بیداری ہے
آنکھیں ہیں مگر حسنِ نظر سے خالی
اندھیر ہے پا ئیمے کی بلہاری ہے

۱۰۳

فانوسِ خودی میں آپ مستور ہیں ہم
پردہ یہ اُٹھے تو نور ہی نور ہیں ہم
دیکھا تو نہیں تو نے مگر کیا دیکھا!
جتنے نزدیک اُو تنے ہی دور ہیں ہم

۱۰۴

یارانِ چمن یہ رنگ و بُو مجھ سے ہے
تم سے کیا ہو گا لکھنؤ مجھ سے ہے
میں جانِ سخن ہوں بلکہ ایمانِ سخن
دنیائے ادب کی آبرو مجھ سے ہے

۱۰۵

ہاں فکرِ رسا دیکھ بڑا بول نہ بول
گنجینۂ راز اندھی نگری میں نہ کھول
جب کی جتنی ضرورت اُتنی قیمت
ہیرا کبھی کنکر ہے کبھی ہے انمول

۱۰۶

دل نشہ میں سرشار نظر آنے لگا

ویرانہ بھی گلزار نظر آنے لگا

کیا جانیں محبت نے چڑھایا کیا رنگ

عالم گل بیزار نظر آنے لگا

۱۰۷

آخر یہ شباب یاد آئے گا نہ کیا

یہ خانہ خراب یاد آئے گا نہ کیا

جنت کیا دور ہے گنہگاروں سے

بھولا ہوا خواب یاد آئے گا نہ کیا

۱۰۸

دُنیا سے اُٹھے ہیں دل کی دل میں لیئے

کس کام کی زندگی کہ ناکام جئیے

وہ درد دیا جس کی دوا تھی نہ دعا

دل تجھ سے لگایا تھا اسی دن کیلئے؟

۱۰۹

دکھ درد کو موہوم سمجھنا مشکل

مشکل ہے یہ مفہوم سمجھنا مشکل

اپنی ہستی غلط نہ اپنی بستی

موجود کو معدوم سمجھنا مشکل

۱۱۰

کیوں مذہبِ جمہور سے ہم باز آئے
رازی کی سمجھ میں خاک یہ راز آئے
آنکھ ایسی تو ہو کہ حق کو پہچان سکے
کان ایسے تو ہوں کہ دل کی آواز آئے

۱۱۱

مہماں نہ سہی ایک مسافر ہی سہی
دل رکھ لے بلا سے بارِ خاطر ہی سہی
ساقیِ دکن ہم بھی ترے دور میں ہیں
اوّل نہ سہی تو سب سے آخر ہی سہی

۱۱۲

گھر بوٹتا ہے آج دِلدّر بھاگا
دُکھ درد کے ماروں کا نصیبہ جاگا
دن کاٹے ہیں گن گن اسی دن کیلئے
ساجن آتے ہیں راستہ دے کاگا!

۱۱۳

ترسی ہوئی آنکھوں کا تقاضا ہے تو کیا
پھوٹی ہوئی آنکھوں کی تمنا ہے تو کیا
اُترے گا نہ کبھی حُسنِ بے رنگ کا عکس
روشن ہے تو کیا، آئینہ اندھا ہی تو کیا

۱۱۴

دنیا میں رہ کے راست بازی کب تک
مشکل ہے، کچھ آسان نہیں سیدھا مسلک
سچ بول کے کیا حسینؑ بننا ہے تجھے
اتنا سچ بول، دال میں جیسے نمک

۱۱۵

دنیا طلبی جائے گی کیا جان کے ساتھ
کیسی یہ بلا لگی مسلمان کے ساتھ
کیسا قرآن اور کہاں کا ایمان
ایمان رہا طاق پہ قرآن کے ساتھ

۱۱۶

کیا بھا نپتا ہے بھانپنے والے باز آ

حیران ہے کیوں ٹاپنے والے باز آ

کھنچتی جائے گی اور بھی دُور سے دُور

آفاق کی حد ناپنے والے باز آ

۱۱۷

دیوانہ روی کا حق ادا کرتا چل

چلنا تو ہے ہی شور بپا کرتا چل

گردش میں بھنور رہے بونڈ لا جگر ہیں

ہاں تو بھی یوں ہی رقصِ فنا کرتا چل

۱۱۸

نظارۂ بیدار بھی مہمل ٹھہرا
ہے ایک سے بڑھکر ایک پردہ گہرا
افسانۂ شاہد حقیقت باطل
کہتا گونگا ہے اور سنتا بہرا

۱۱۹

کس منھ سے کہے کوئی کہ تو ایسا ہے
ویسا تو نہیں ایک بھی، تو جیسا ہے
ہاں ہے تو سہی مگر نہ جانے کیا ہے
ایسا نہیں ویسا نہیں پھر کیسا ہے

۱۲۰

ان عقل کے اندھوں میں ہے یہ غُل کیسا
میں جُز ہوں وہ کُل ہے۔ یہ تعقّل کیسا
کُل ہی کُل ہے کہاں کا جُز کیسا جُز
جُز کُل سے الگ ہوا تو پھر کُل کیسا ؟

۱۲۱

ان مردہ پرستوں کا ہے مذہب کیسا
ہر حال میں بدحال۔ یہ مشرب کیسا
کل تک تو اسی کَل سے آزردہ تھے
گذرے ہوئے کَل کا ذکرِ خیر اب کیسا

۱۲۲

منزل کی جستجو میں گم رہتا ہوں
ہنگامۂ آرزو میں گُم رہتا ہوں
امیّد کا سبز باغ، اے صلِّ علیٰ
اک عالمِ رنگ و بو میں گم رہتا ہوں

۱۲۳

ممکن نہیں اندیشۂ فردا کم ہو
ہاں تشنۂ غفلت ہو تو ایذا کم ہو
ٹلنے کی نہیں قیامت اچھّا نہ ٹلے
منھ پھیر لو اپنا کہ یہ دھڑکا کم ہو

۱۲۴

بیدرد ہو، کیا جانو مصیبت کے مزے
ہیں رنج کے دم قدم سے راحت کے مزے
دوزخ کی ہوا تو پہلے کھالو صاحب
کیا ڈھونڈھتے ہو ابھی سے جنت کے مزے

۱۲۵

جبتک نہ سہیں رنج تو راحت معلوم
جنت معلوم، سیرِ جنّت معلوم
دوزخ کی ہوا کھائی نہیں کیا جانیں
معصوم کو جنّت کی حقیقت معلوم

۱۲۶

کیا جانیں یہ کمبخت ہیں بندے کن کے

اللہ ہی پھیرے تو پھریں دن ان کے

جینے کا ہنر سیکھیں تو کیونکر سیکھیں

جیتے مُردے جو سانس لیں گن گن کے

۱۲۷

دُنیا سے الگ جا کے کہیں سر پھوڑو

یا جیتے ہی جی مُردوں سے ناتا جوڑو

کیوں ٹھوکریں کھانے کو پڑے ہو بیکار

بڑھنا ہے بڑھو، نہیں تو رستہ چھوڑو

۱۲۸

ارمان نکلنے کا مزہ ہے کچھ اور
اور رشک سے جلنے کا مزہ ہے کچھ اور
ہاں یاد ہے دوست سے لپٹنا لیکن
دشمن کو کچلنے کا مزہ ہے کچھ اور

۱۲۹

کہتے ہیں کہ شیطان کبھی سوتا ہی نہیں
انسان سے غافل کبھی ہوتا ہی نہیں
مُلّا بھی مگر کم نہیں ہشیاری میں
موقع کوئی ہاتھ آئے تو کھوتا ہی نہیں

۱۳۰

دُنیا کی ہوا کھا کے کچھ ایسے بگڑے
ایمان پلٹ گیا ارادے بگڑے
کیا کیا دیندار، پریم پاپی نکلے
کیا اچھے بنے تھے، کیسے اچھے بگڑے

۱۳۱

کیا کیجئے رام رام کرتے ہی بنی
جائز نہ سہی یہ کام کرتے ہی بنی
چاہا تو بہت بتوں سے منھ پھیر چلوں
جھکتے ہی بنی سلام کرتے ہی بنی

۱۳۲

پھر ساحلِ امید دغا دے نہ کہیں
ابتک کوئی اُس پار اُترنے کی نہیں
پانچھی ہیں لکھی ہے نہ رہی دھارے کا
لو پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے زمین

۱۳۳

بیداریٔ موہوم کا پردہ نہ ہٹا
کہنے کے لئے وقت بہت خوب کٹا
کیا جانئے کل سے آجتک کیا گزری
پانی کتنا بہا ہے پل کتنا گھٹا

۱۳۴

زیبا نہیں یہ تُنک مزاجوں کے چلن

گلچیں سے لاگ، باغباں سے اَن بَن

کیا حوصلہ کیا ظرف ہے ماشاءاللہ

اک ٹھیس میں دُہری دُہری ماتھے پہ شکن

۱۳۵

کانوں میں آئی کیسی آواز نئی

دل کی دنیا میں سنسنی دوڑ گئی

کس سے روٹھا ہے، ہم سے یا دنیا سے؟

دُنیا کی طرف دیکھ دنیا تو ہی!

۱۳۶

اللہ غنی بتوں کی یہ جلوہ گری

کیا ساری خدائی ہے خداؤں سے بھری

اتنے ہیں خدا تو خود پرستی ہی بھلی

یکسوئی ہے اچھی کہ پریشاں نظری؟

۱۳۷

لڑتے ہی نظر پینگ بڑھا لیتا ہے

الٹا سیدھا سبق پڑھا لیتا ہے

دل کی گھاتوں کو سنگدل کیا سمجھیں

دو باتوں میں داؤں پہ چڑھا لیتا ہے

۱۳۸

کچھ کر تو چلیں کوشش ناکام سہی

انعام کے بدلے اور دُشنام سہی

امیّد سلامت ہے تو کیوں باز آئیں

بوسہ نہ سہی بوسہ بہ پیغام سہی

۱۳۹

وہ حُسن ہی کیا ہے جو گلے کٹوائے

فتنے برپا کرے قیامت ڈھائے

دیکھا ہو گا مگر نہ دیکھا ہو گا

وُہ حُسن جسے دیکھ کے چپ لگ جائے

۱۴۰

اربابِ وفا ہیں کڑھنے کھپنے کیلئے
اندر اندر سلگنے تپنے کیلئے
کس دل سے دلِ دوست دکھاؤں واللہ
دل چاہئے بے دھڑک تڑپنے کیلئے

۱۴۱

واللہ وہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
جسکی ہر سانس اک پیامِ امید
زندہ ہے وہی جو مر کے زندہ ہو جائے
پیغامِ اجل جس کے لئے مژدۂ عید

۱۴۲

ہاں جب ہے مزہ کہ دوست دشمن ہو جائے
ہر پہلو خوب و زشت روشن ہو جائے
سکھ میں جو سودا ہے تو دکھ کے دم سے
سکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے

۱۴۳

کیا جانے کوئی عید منانے کے مزے
جبتک نہ اٹھائے دل لگانے کے مزے
اے عید منانے والو مجھ سے پوچھو
روٹھے ہوئے دوست کو منانے کے مزے

۱۴۴

کیا فصلِ بہاری کی خبر نے مارا
یا بوالہوسی کے درد سر نے مارا
یارانِ شکستہ پر ہیں کتنے بیتاب
کس کی آوازِ بال و پر نے مارا

۱۴۵

آسان نہیں موت کی آہٹ لینا
گہوارۂ بیخودی میں کروٹ لینا
بیدار دلی ہے اور الٹی زحمت
اچھا نہیں اپنے سر یہ جھنجھٹ لینا

۱۴۶

رہنے کا نہیں بند درِ آزادی
دیتی ہیں ہوائیں خبرِ آزادی
دروازۂ زنداں درِ توبہ تو نہیں
ہاں المدد اے دردِ سرِ آزادی

۱۴۷

کس دُھن میں کوہکن نے تیشہ باندھا
سر پھوڑ کے خود موت کا آگا باندھا
قدموں سے لپٹ گئی حیاتِ ابدی
کیا عشق کے سر اجل نے سہرا باندھا

۱۴۸

ہنگامۂ شوق و آرزو سے مجبور

دنیا کی ہوائے چارسو سے مجبور

گلچیں کی تمنا پہ خدا رحم کرے

گل ہیں پروازِ رنگ و بو سے مجبور

۱۴۹

دنیا میں کوئی اور حسین ہو بھی تو کیا

پردہ میں کوئی پردہ نشیں ہو بھی تو کیا

عالم میں جدھر دیکھئے میں ہی میں ہوں

حسن اپنے سوا اور کہیں ہو بھی تو کیا

۱۵۰

مہمان ہے تو صہبا خانہ ہوں میں
آئینۂ حُسنِ جاودانہ ہوں میں
مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی
یکتائے جہاں تُو ہے یگانہ ہوں میں

۱۵۱

کیوں شرح کا دفتر کوئی احمق کھولے
ہے یہ وہ سخن کہ اپنے منہ سے بولے
کانٹوں کا تُلا ہوا، نگاہوں میں جچا
لے تول لے پاؤ رتی باون تولے

۱۵۲

مے کیا ہے خونِ دل بھی پی کر نہ جھکا

جی بھر کے بُرا کام کوئی کر نہ سکا

مجھ کو کوئی مجھ سے پوچھے اللہ رے میں

وہ میں کہ گناہ کرتے کرتے نہ تھکا

۱۵۳

کافر کا مسلمان سے بس کیا چلتا

دیوؤں کا سلیمان سے بس کیا چلتا

لاکھوں شیطان پر ایک انسان بھاری

شیطان کا انسان سے بس کیا چلتا

۱۵۴

بخشش کسے کہتے ہیں عنایت کیسی
ملکٹ اپنا ہی مال اپنا اجازت کیسی
قدرت کا خزانہ ہے تصرّف کیلئے
تقدیر کے ٹکڑوں پہ قناعت کیسی؟

۱۵۵

وہ مست کہ بے پیئے چھلکتا جائے
نشہ میں شباب کے بہکتا جائے
آئینہ کا سامنا کرے گا کیونکر
اپنے سایہ سے جو جھجکتا جائے

۱۵۶

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں
دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں
کیا کیجیے دادِ حُسن دیتو ہی بنی
دیکھتے ہوئے دل سے آہ کر لیتا ہوں

۱۵۷

حُسن اپنی نظر سے گر پڑے گا کہ نہیں
ہاتھ اپنے زوال پر ملے گا کہ نہیں
دورِ فلک انتقام لے گا کہ نہیں
چڑھتا ہوا دن کبھی ڈھلے گا کہ نہیں

۱۵۸

اپنی حد سے گزر گئے اب کیا ہے

منجدھار سے پار اُتر گئے اب کیا ہے

اے شوقِ وصال اے تمنائے سکوں

دونوں پلّے تو بھر گئے اب کیا ہے

۱۵۹

بادل کو لگی کھلتے برستے کچھ دیر

دل کو نہ لگی اُجڑتے بستے کچھ دیر

بچوں کی طرح موم ہوا ہوں ایسا

روتے کچھ دیر ہے نہ ہنستے کچھ دیر

۱۶۰

دل کا دامن کبھی نہ چھوٹے واللہ
آئینۂ ادراک نہ ٹوٹے واللہ
دل ہے روشن تو دین و دنیا روشن
آنکھیں پھوٹیں ہیا نہ پھوٹے واللہ

۱۶۱

کچھ درد محبت کی کسک ہے تو سہی
ہلکی سی نبض میں دھمک ہے تو سہی
چڑھ جائے کوئی لہر تو پھر کیا چارہ
کچھ دن کیلئے موت میں شک ہی تو سہی

۱۶۲

ذُر دیدہ نگاہی کا سبب کیا کہیے
بیگانگیِ حُسنِ طلب کیا کہیے
دل کے گاہک ہیں کیا سیانے گاہک
اندازِ پیامِ زیرِ لب کیا کہیے

۱۶۳

کعبہ کی طرف دُور سے سجدہ کر لوں
یا دیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا
ایک اور گنہ کر لوں کہ توبہ کر لوں؟